ظہور 1355 ہش
اگست 1976

بس اصل بات جو میں خدام الاحمدیہ سے
اس وقت کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ
خدمت کے جذبہ میں کوئی کمی نہیں
آنی چاہئے۔ آپ اسی بشاشت کے ساتھ
اور اسی والہانہ جذبہ کے ساتھ ہر
انسان کی خدمت کرتے رہیں۔

(تفصیل ملاحظہ ہو صفحہ ۵ پر)

اے "حافظ قرآن" خدا حافظ و ناصر

ایڈیٹر
حافظ مظفر احمد
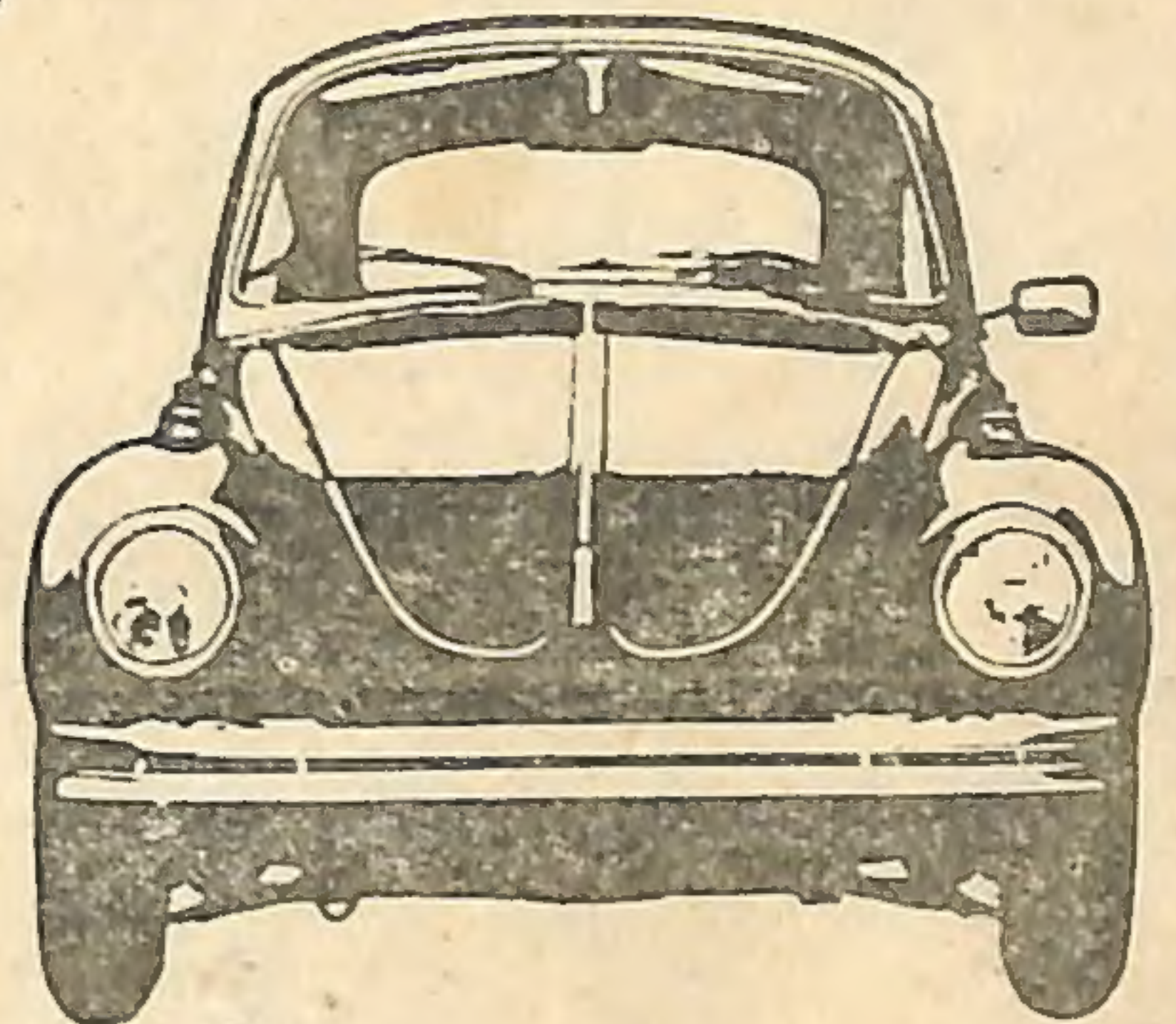
استبقوا الخیرات

• "تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں" (الہام مسیح موعود)

• "قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی" (المصلح الموعود)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ **خالد** ربوہ

اگست ۱۹۷۶ء • ظہور ۱۳۵۵ھش

(ایڈیٹر)

حافظ مظفر احمد

: نائبین :

• بشارت احمد مسعود

• ملک خالد محمود

• محمد الیاس منیر

جلد ۲۴ • نمبر ۱

الفہرس

پبلشر: محمد شفیق قیصر۔ پرنٹر: سید عبدالحی۔ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی۔ ربوہ

اداریہ

حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ

خالد

۱۴ اگست ــــ کا مبارک دن برصغیر کے مسلمانوں کے لئے آزادی کا پیغام لایا ــــ یہ دن بڑی محنتوں اور بڑی منتوں سے ملا ــــ غلامی کے بندھن توڑنے اور آزادی کا فطری اور بنیادی حق حاصل کرنے کے لئے برصغیر کے باہمت مسلمانوں نے ایک طویل جدوجہد کی ــــ اور پھر جب ارضِ پاک حاصل کرنے کا آخری وقت آیا تو خون کی ہولی کھیلی گئی جانیں قربانی کی بھینٹ چڑھانا پڑیں ــــ آبروئیں لٹانا پڑیں ــــ الغرض خون کی ندیوں سے گذر کر ہم پاک سرزمین میں پہنچے اور ہماری تاریخ کا ایک خونیں باب رقم ہوا ــــ

ہم نے یہ سب قربانیاں مسلم قوم کے الگ وطن کے لئے گواریں، وطن کی آزادی اور عزت و ناموس کے لئے ہم نے جان و مال و آبرو سب کچھ نچھاور کر دیا۔ اس لئے کہ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "حبِ وطن جزوِ ایمان ہے" ــــ وطن سے محبت ایک فطری امر ہے۔ اور اسلام دینِ فطرت ہے اسی لئے اسلام نے وطن کی عظمت ظاہر کرنے اور اہلِ وطن سے تعلق محبت پیدا کرنے کے لئے اسے ایمانیات کا جزو قرار دیا ــــ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی زریں ارشاد کو مشعلِ راہ بناتے ہیں۔ وطن کی محبت ہمارے جسم و جان اور رگ و ریشہ میں رچی بسی ہے ــــ ہم اپنے وطن پاکستان سے اس لئے بھی محبت کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس "پاک زمین" کی خبر دی گئی تھی۔ اور یہ ارضِ پاک غلبۂ اسلام کی عظیم الشان مہم میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے ــــ اس لئے پاک وطن کے ہر کٹھن اور مشکل مرحلہ میں جماعت احمدیہ نے اپنے عمل سے جذبۂ حب الوطنی کا ثبوت دیا ہے۔ دو قومی نظریہ کی اشاعت سے لے کر قیامِ پاکستان تک (قریباً پون صدی کی جدوجہد میں) جماعت احمدیہ کی خدمات تاریخ فراموش نہیں کر سکتی۔ مسلم لیگ کے قیام، نہرو رپورٹ کی مخالفت قراردادِ پاکستان کی تائید اور انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت۔ باؤنڈری کمشن اور آزادی کشمیر کی جدوجہد میں جماعت احمدیہ نے اہم کردار ادا کیا ہے ــــ ۱۹۴۸ء میں کشمیر کی سرسبز پہاڑیوں میں اور ۱۹۶۵ء میں پاکستان کے کئی محاذوں

پر جذبۂ حب الوطنی سے سرشار ہو کر احمدی نوجوانوں نے یہ کہتے ہوئے جان کی بازی لگا دی تھی۔ ؎

"لہو بھی نذر کیا عظمتِ وطن کے لئے"

الغرض ـــــ "حب الوطن من الایمان" ـــــ ہمارا نصب العین ہے۔ ـــــ

سالانہ اجتماع ۱۹۷۱ء کے موقع پر احمدی نوجوانوں کو حب الوطنی کے اہم فرض کی طرف توجہ دلاتے ہوئے امام جماعت احمدیہ نے فرمایا ـــــ

"تمہاری مادرِ وطن آج تمہیں بلا رہی ہے وہ تم سے قربانی چاہتی ہے۔ تم اس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کے لئے ہر قربانی پیش کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ وطن کی حفاظت اور سالمیت کے لئے تمہارا آخری وجود بھی خرچ ہو جانا چاہیئے۔ تمہارے ذہن ہر قربانی کے لئے تیار اور تمہارے عمل تمہارے ذہنی فیصلوں کی تائید کرنے والے ہوں۔ خدا کرے کہ سارے پاکستانی ہی مادرِ وطن کی سالمیت پر ہر قربانی کے لئے تیار رہیں لیکن ایک احمدی کو تو بہر حال کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہیئے۔ صرف یہ نہیں کہ وہ کسی سے پیچھے نہ رہیں بلکہ انہیں دوسروں کی طرف دیکھے بغیر قربانیوں میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے جانا چاہیئے۔"

اسی طرح بیرون ملک تشریف لے جانے سے قبل ۱۶ر جولائی کے خطبہ جمعہ میں حضور ایدہ اللہ نے احباب جماعت کو پاکستان کی ترقی و خوشحالی کے لئے دعا کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: ـــــ

"اپنے ملک اور وطنِ عزیز کی بہتری، بہبودی، استحکام اور اس کے تمام مسائل کے بخیر و خوبی حل ہو جانے کے لئے بھی جانے کے لئے بھی ہم پر دعاؤں کی خاص ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔"

وطن کے تحفظ و سالمیت میں پابندی قانون ایک اہم امر ہے۔ حکومتِ وقت سے تعاون اور اولی الامر کی اطاعت جماعت احمدیہ کا شیوہ ہے ـــــ خلیفۂ وقت جماعت کو بار بار اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ قانون شکنی نہیں کرنی اور اولی الامر کی اطاعت کرنی ہے ـــــ محض اس لئے کہ وطنِ عزیز قائم و دائم رہے ـــــ

پس ہمیں وطنِ عزیز کی سلامتی، ترقی اور خوشحالی کے لئے استقلال سے دعائیں کرتے چلے جانا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے وطن کو آباد و شاداب رکھے اور ارضِ پاک اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا مرکز بنے اور ایک دفعہ پھر تمام عالم میں پرچم اسلام لہرانے لگے۔ ؎ "ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!"

"خدا حافظ و ناصر!"

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، امریکہ اور یورپ کے مشنوں کا دورہ کرنے کے لئے ربوہ سے

عازم سفر ہوئے ہیں ـــــ یہ خالص تبلیغی و تربیتی اور الٰہی سفر خاص اہمیت کا حامل ہے۔ جس میں پہلی بار حضور امریکہ کا دورہ فرما رہے ہیں ـــــ اسی سفر میں حضور گوٹن برگ، سرزمین سویڈن کی پہلی مسجد کا افتتاح بھی فرمائیں گے ـــــ خدا کرے کہ امریکہ اور یورپ سالار غلبۂ اسلام کی آواز پر کان دھریں اور وہ دن جلد آئے جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ مبارک الفاظ پورے ہوں کہ ـــــ "سچائی کا آفتاب مغرب سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ چلے گا" ـــــ اور خدا کرے کہ یورپ و امریکہ خدائی آواز کو قبول کر کے اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں ـــــ جماعت احمدیہ خدا کے فضل سے ایک عالمگیر جماعت ہے جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ اس اعتبار سے غلبۂ اسلام کے تئیں ـــــ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا یہ دورہ وقت کی ضرورت ہے۔

دوروں میں حضور ایدہ اللہ ممالک بیرون کے احمدی احباب سے ملیں گے جو آپ کی ملاقات کے لئے چشم براہ ہیں۔ مرکز خلافت سے ہزاروں میل دور یہ لوگ خلیفۂ وقت پر سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں ایسی ہزاروں سعید روحیں ہیں جو خلیفۂ وقت سے ملنے کے لئے بے قرار و مضطرب رہتی ہیں ـــــ لیکن سفر کی صعوبتیں، بھاری اخراجات اور ہزاروں میل کی طویل مسافت مانع ہوتی ہے۔ حضور ایدہ اللہ کی ذرہ نوازی اور ان لوگوں کی سعادت ہے کہ آپ بنفس نفیس ان لوگوں میں تشریف لے جا کر ان سے ملاقات فرمائیں گے اور اپنے ارشادات سے نوازیں گے۔ یہ جماعت کی روز افزوں ترقی کے پیش نظر بیرون ملک احمدی جماعتوں کی تربیت کے لئے نہایت اہم اور مفید ہے ـــــ جماعت کی روز افزوں ترقی کے پیش نظر یہ وقت کی نہایت ضرورت ہے۔ اسی طرح بیرون ممالک میں حضور ایدہ اللہ کے اس مبارک سفر سے انشاء اللہ تعالیٰ تبلیغ اسلام کا فریضہ بھی بخوبی ادا ہوگا۔ آپ کے نمونہ، شخصیت اور سیرت سے تبلیغ ہوگی اور بقول مولانا روم ؏ ـــــ "گفت: این رو خود نہ گوید غیر راست" ـــــ کا نظارہ دنیا دیکھے گی نیز حضور ایدہ اللہ جماعت کی تبلیغی مساعی کا خود جائزہ لیں گے اور میدان جہاد میں مصروف مبلغین کو زریں اور قیمتی ہدایات سے نوازیں گے ـــــ

۱۷ جولائی کی صبح حضور ایدہ اللہ کا قافلہ کار کے ذریعہ لاہور روانہ ہوا۔ حضرت سیدہ بیگم صاحبہ مدظلہا کے علاوہ صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ، نواب زادہ شاہد احمد خان صاحب پاشا اور مکرم مسعود احمد خان صاحب دہلوی ایڈیٹر روزنامہ الفضل کو حضور کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوا۔ لاہور سے بذریعہ طیارہ حضور ایدہ اللہ کراچی تشریف لے گئے اور ۱۸ جولائی کو لندن میں آپ کا ورود مسعود ہوا ـــــ ۲۴ جولائی کو حضور لندن سے واشنگٹن پہنچے۔ وہاں کے ہوائی مستقر پر امریکہ اور کینیڈا کی احمدی جماعتوں کے تین صد احباب نے حضور کا استقبال کیا۔ ۲۹ جولائی کی رپورٹ کے مطابق ۲۸ تاریخ حضور واشنگٹن میں قیام فرما ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مبارک سفر میں حضور کا حامی و ناصر ہو اور یہ الٰہی سفر ہر لحاظ سے خیر و برکت کا موجب ہو۔ آمین ثم آمین!

ـــــــــــــــ

کلام الامام

● ــ "پس اصل بات جو میں خدام الاحمدیہ کو اس وقت کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ خدمت کے جذبہ میں کوئی کمی نہیں آنی چاہیئے۔ آپ اسی بشاشت کے ساتھ اور اسی والہانہ جذبہ کے ساتھ ہر انسان کی خدمت کرتے رہیں"

● ــ "اپنے رب کے ساتھ اپنے پوشیدہ تعلقات مضبوط بناؤ اور ایک زندہ تعلق اپنے رب سے پیدا کرو!"

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کا

بتیسویں (۳۲) سالانہ اجتماع (یک روزہ) میں خدام سے خطاب

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ ۱۸ شہادت ۱۳۵۵ ہش مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۷۶ء مسجد اقصیٰ ربوہ میں خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے نمائندہ اجتماع سے جو خطاب فرمایا تھا۔ اس کا مکمل متن ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔ (مرتبہ: قریشی محمد انور رکن صیغہ زود نویسی) (ادارہ)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

" خدام کا یہ اجتماع پورا اجتماع نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسے پچھلے سال منعقد ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن کسی غلط فہمی کے نتیجہ میں یہ اپنے وقت پر منعقد نہیں کیا جا سکا۔ اس پر میں نے یہ کہا تھا کہ ناغہ نہیں ہونا چاہیئے۔

آنے والا سال پچھلے سال کی غلطیوں اور کوتاہیوں کی تلافی بھی کیا کرتا ہے چنانچہ یہ تلافی کا اجتماع ہے۔ اور یہ دو دن کا اجتماع ہے اسی لئے یہاں پر خیمے بھی نظر نہیں آرہے (اور مسجد اقصیٰ میں لگ سکتے ہیں) اور خدام الاحمدیہ کے اجتماع کی جو سارے دن کی مصروفیات ہیں وہ بھی اس اجتماع میں نہیں ہیں۔ اور یہ بھی یک روزہ اجتماع ہے تلافیٔ مافات کا یہ یک روزہ اجتماع تو اب ہو گیا۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ اسی سال اپنے وقت پر جماعت احمدیہ کے نوجوان (خدام) اللہ کے فضل سے اپنی روایات اور طریق کے مطابق جمع ہو کر اپنا اجتماع کریں گے۔

یہ عمر یعنی نوجوان خادم کی عمر، عمل کی عمر ہے۔ اور عمل کے لئے جسمانی طاقت کی بھی ضرورت ہے یا مجھے یوں کہنا چاہیئے کہ جسمانی عمل کے لئے جسمانی طاقت کی بھی ضرورت ہے اسی طرح ذہنی اعمال کے لئے ذہنی شعور اور فراست اور ذہنی طاقت کی ضرورت ہے۔ اس وقت میں ان ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو عام طور پر جسمانی عمل سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان کی بنیاد اخلاقیات اور روحانیت پر ہے۔ بہرحال زندگی کا یہ دور عمل کا دور ہے۔

جب ہم قرآن کریم پر غور کرتے ہیں تو قرآن کریم کی اصطلاح میں ہمیں مختلف قسم کے اعمال نظر آتے ہیں۔ ایک وہ عمل ہے۔ جسے قرآن کریم عملِ صالح کہتا ہے اور ایک وہ عمل ہے جس کو قرآن کریم عملِ غیر صالح کہتا ہے۔ ایک وہ عمل ہے جس کو قرآن کریم عملِ صالح کہتا ہے اور اس کے مقابلے میں عملِ سیّئ ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا۔ (التوبۃ: آیت ۱۰۲)

پھر ایک وہ عمل ہے جس کو قرآن کریم فساد والا عمل کہتا ہے اور ایک وہ عمل ہے جس کو قرآن کریم اَحْسَنُ عَمَلًا کہتا ہے یعنی وہ محض صالح عمل نہیں ہے بلکہ وہ عمل، حسنِ عمل کی تمام رعنائی لئے ہوئے ہے۔ ان مختلف اعمال پر جب ہم غور کرتے ہیں تو میں بھی یہ سمجھتا ہوں اور آپ کو بھی یہ پتہ لگے گا کہ بعض اعمال ایسے ہیں جنہیں خدام نے نہیں کرنا اور بعض اعمال ایسے ہیں جنہیں خدام نے کرنا ہے اور بعض اعمال ایسے ہیں کہ جن کی طرف خدام میں سے جو آئیڈیل ہیں انھوں نے حرکت کرنی ہے۔ اَحْسَنُ عَمَلًا میں اسی کی طرف اشارہ ہے لیکن اس کی انتہاء نامعلوم ہے۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ اس کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونکہ اسلام نے روحانی ترقیات کی کوئی انتہا نہیں بتائی۔ اگر ہماری یہی اس دنیا کی زندگی ہوتی تو مرنے تک اعمالِ صالحہ کا مجموعہ اکٹھا ہو جاتا اور ہمیں پتہ ہوتا کہ انتہاء ہو گئی۔ لیکن یہ کہا جاتا ہے اور صحیح کہا جاتا ہے کہ پیدا کرنے والے رب اور اس کی مخلوق انسان کے درمیان، جسے اس نے اپنے قرب کے لئے پیدا کیا ہے بے حد و انتہا فاصلے ہیں اور ہر لحظہ قربِ الٰہی کی طرف انسان کی حرکت ہے۔ یہ حرکت اس دنیا میں ایسے اعمال کے نتیجہ میں ہے جن میں جزا اور سزا دونوں ممکن ہیں لیکن خدا کا ایک بندہ اس کوشش کے ساتھ اور اس نیت کے ساتھ عمل کرتا ہے کہ اس کے عمل مقبول ہوں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرے گا اور ہر دم اس کا قدم اسی کی طرف بڑھتا چلا جائے گا۔ لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی میں کوئی عمل نہیں عمل تو ہے

لیکن امتحان نہیں جس نے اخروی زندگی میں جنت کو پالیا پھر اُس کے لئے جنت سے نکال دیئے جانے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ لیکن وہاں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کا تو کوئی تصور نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے اعمال بجا لا کر اس کی تسبیح و تحمید اور اس کی کبریائی اور عظمت کے ترانے گاتے رہنے کے نتیجہ میں اس کی صفات کے نئے جلوے ظاہر ہونے کی وجہ سے انسان خدا تعالیٰ کے پیار کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرتا چلا جائے گا۔ قرآن کریم میں بھی اس کی طرف اشارہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآنی تفسیر میں بھی بڑی وضاحت سے یہ بیان ہوا ہے کہ جنت میں مومن کا ہر دن پہلے دن سے زیادہ خدا تعالیٰ کے پیار کو حاصل کرنے والا اور اس کی رحمتوں کو پانے والا ہوگا۔

اس دنیا میں جو عمل آپ نے نہیں کرنا وہ، وہ عمل ہے جس کے متعلق قرآن کریم کہتا ہے کہ مفسدوں کے عمل کو خدا تعالیٰ پیار کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ پس جو مفسد کا عمل ہے۔ وہ عمل جس میں فساد کی جڑ پائی جاتی ہے وہ عمل جو معاشرہ اور ماحول میں فساد پیدا کرتا ہے، وہ عمل جو قانون شکنی کرتا ہے، وہ عمل جو دوسروں کے حقوق کو غصب کرتا ہے۔ ہم نے وہ عمل نہیں کرنا۔ اسی طرح وہ عمل جو جائز طریقوں سے اپنا حق لینے میں کوتاہی کرتا ہے وہ بھی فساد والا عمل ہے کیونکہ جائز طریقے پر اپنا حق لینے میں کوتاہی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے معاشرے کے ایک حصہ کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ آپ کے حقوق کو آسانی کے ساتھ غصب کرلے لیکن قانون شکنی نہیں کرنی۔ فساد کو بھی چھوڑنا اور خدا تعالیٰ سے دور ہو کر اپنے حقوق کے حصول کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر جو عمل آپ نے کرنے ہیں وہ محض عمل صالح نہیں یعنی ایک مومن کے عام معیار پر تسلی پا جانا بھی غلط ہے کیونکہ ہمیں صرف عمل صالح کی تلقین نہیں کی گئی بلکہ اَحْسَنُ عَمَلاً میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہمیں بہترین عمل کرنے چاہئیں۔ جب ہم صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگیوں پر نظر کرتے ہیں تو بعض چیزیں نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتی ہیں مثلاً یہ کہ اس صحابی نے اس عمل میں اپنے خدا سے محبت کی انتہا کر دی۔ کسی نے کسی عمل میں اور کسی نے کسی اور عمل میں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پیار کے تعلق اور اس کی رضا کے حصول کے لئے ایثار اور قربانی اور وفا میں اپنی کوشش کو انتہا تک پہنچا دیا۔ بعض دوسرے ان پہلوؤں سے اتنے نمایاں ہو کر ہمارے سامنے نہیں آتے۔

عمل کے دو حصے ہیں۔ ایک کا تعلق حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ہے اور ایک کا تعلق حقوق العباد کی ادائیگی کے ساتھ ہے۔ جس عمل کا تعلق حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ہے اس کو اتنا ظاہر نہیں کیا جاتا۔ اس کے بعض ظاہری لباس ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ "لِبَاسُ التَّقْوٰی" کہا گیا ہے۔ تقویٰ ظاہر نہیں ہوتا۔ لِبَاسُ التَّقْوٰی ظاہر ہوتا ہے (میں لِبَاسُ التَّقْوٰی کو وسیع معنی میں استعمال کر رہا ہوں) تقویٰ کی ظاہری چیزیں ظاہر ہوتی

ہیں۔ تقویٰ پر اتنا زور دینے کے بعد خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی کہا کہ:۔

لَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ ۚ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی۔ (النجم آیت: ۳۳)

اپنے تقویٰ کا اظہار نہ کیا کرو۔ شو (show) نہ کیا کرو۔ اپنے آپ کو پاکیزہ نہ قرار دیا کرو هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی۔ سچے تقویٰ کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ انسان خود اپنے متعلق بھی غلط اندازے لگا لیتا ہے اور بہک جاتا ہے۔ غرض بہکنا نہیں چاہیئے اور جیسا کہ ہمیں بتایا گیا ہے اس میں فساد نہیں ہونا چاہیئے۔ اس میں برائی نہیں ہونی چاہیئے۔ اس میں حق تلفی نہیں ہونی چاہیئے۔ اس میں جائز ذرائع سے اس بات کی روک تھام کا انتظام ہونا چاہیئے کہ کوئی شخص دوسروں کے حقوق تلف نہ کرے اور اپنے حقوق کا مطالبہ بھی ضرور کرنا چاہیئے لیکن جائز طریقوں سے۔ ناجائز طریقوں سے نہیں۔ جہاں تک حقوق اللہ کا سوال ہے یہ انسان کا اپنے رب کے ساتھ تعلق ہے اسلام نے اس کے بعض پہلوؤں کو ظاہر کیا ہے مثلاً مساجد میں نماز کا ادا کرنا اور بعض پہلوؤں کو پوشیدہ کیا ہے مثلاً راتوں کو خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہنا۔ اس کے متعلق عام تعلیم دے دی اور اس پر کوئی نگرانی نہیں ہے۔ انسان کو چھوڑ دیا کہ تیرا تیرے رب کے ساتھ تعلق ہے تو اس تعلق کو استوار کر اور اللہ کی رضا کو حاصل کر۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے رمضان میں بھوکے رہنا یا ہم بعض طوعی روزے رکھتے ہیں۔ اب بھی انتظام کے ماتحت ہر مہینے میں ایک روزہ رکھا جا رہا ہے۔ یہ روزہ ظاہر میں ہے لیکن وہ شخص جو خفیہ طور پر بھوکا رہتا ہے اور اپنے ہمسائے کا پیٹ پال دیتا ہے یہ بھی روزہ ہے لیکن اس میں اور لذت ہے۔ اس کو سوچ کر بھی آدمی کو سرور آجاتا ہے۔ اسی طرح حج ہے۔ اس کے ارکان ظاہری طور پر ادا کئے جاتے ہیں۔ اور ایک وہ حج ہے جو حج نہیں بھی ہوتا اور حج ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی ایک دو بار بتایا ہے۔ کئی سو سال پرانی بات ہے ہمارے ایک بزرگ تھے ان کو ایک حج کے موقع پر خدا تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا کہ اس دفعہ کسی شخص کا حج بھی قبول نہیں ہوا وہ بڑے پریشان ہوئے۔ وہ خدا تعالیٰ سے پیار کرنے والے تھے۔ ان کا دل دہل گیا اور انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے میرا حج بھی رد کر دیا ہے پتہ نہیں میرے اندر کیا برائیاں پائی جاتی تھیں۔ خدا تعالیٰ نے انہیں کہا کہ شام میں فلاں گلی میں ایک شخص رہتا ہے وہ حج پر نہیں آسکا لیکن اس کا حج قبول ہوا ہے اور اس کی وجہ سے اور بھی بہت سے لوگوں کے حج قبول کر لئے گئے ہیں۔ اس شخص کا نام اور پتہ ان کو کشف یا رؤیا میں بتایا گیا۔ حج کے مناسک ادا کرنے کے بعد وہ بزرگ شام پہنچے۔ ان کو بڑی فکر پیدا ہوئی اور ان کو یہ لگن لگی کہ پتہ تو لوں کہ بات کیا ہے چنانچہ وہ اس پتہ پر چلے گئے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر اس آدمی کو جا کر ملے۔ انہوں نے اسے بات بتائی کہ مجھے اس طرح بتایا گیا ہے۔ قصہ کیا ہے؟ وہ شخص بڑا غریب آدمی تھا۔ جھونپڑی میں رہنے والا تھا کہنے لگا کہ بات یہ ہے کہ میں ساری عمر پیسہ پیسہ جوڑتا رہا اس نیت کے ساتھ کہ جب بھی میرے پاس زاد راہ ہو گیا میں جا کر حج کروں گا۔ اور یہ جو حج

گزرا ہے (جس کے متعلق یہ بتایا گیا تھا کہ اس کی وجہ سے اوروں کے بھی حج قبول ہو گئے) اس میں میرے پاس اتنی رقم جمع ہو گئی کہ میں حج کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں حج کے لئے تیار رہا۔ وہ کہنے لگا کہ ہمارے ہمسائے میں ایک اور غریب آدمی رہتا ہے۔ ایک دن اس ہمسائے کے گھر گوشت پک رہا تھا اور اس کی خوشبو ہمارے گھر میں آئی۔ ہم بھی غریب آدمی ہیں۔ میری بیوی حاملہ تھی۔ حمل میں بعض دفعہ عورت کو بڑی شدت کے ساتھ کسی چیز کی خواہش پیدا ہوتی ہے اگر وہ جائز ہو تو وہ پوری کر دینی چاہیئے ورنہ بچے پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ اس نے بتایا کہ اس کی بیوی کہنے لگی کہ ہم نے بھی کئی دن سے یا کئی ہفتوں سے گوشت نہیں کھایا۔ یہ گوشت پکا ہے۔ ہمسائے کے پاس جا کر تھوڑا سا سالن میرے لئے بھی لے آؤ۔ ان کے باہمی تعلقات اچھے تھے چنانچہ وہ سالن لینے کے لئے چلا گیا۔ اس کے ہمسائے نے جب یہ بات سنی تو وہ بڑا پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ وہ سالن تمہارے کھانے والا نہیں ہے۔ یہ بھی پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ تمہارے کھانے والا ہے تو میرے کھانے والا کیسے نہیں؟ اس نے کہا: بات یہ ہے کہ کئی روز سے ہم فاقہ کر رہے تھے۔ ہمارے بچے رات کو بھوکے سوئے اور اس سے پہلی رات بھی بھوکے سوئے۔ ہمارے گھر کے سامنے ایک گدھا مرا پڑا تھا میری بیوی نے کہا کہ ایسے وقت میں تو سؤر کھانے کی بھی اجازت ہے۔ کئی دن سے پیٹ میں کچھ نہیں پڑا۔ بچے بلبلا رہے ہیں۔ اس گدھے کا گوشت کاٹ کر لے آؤ وہ کھا لیتے ہیں۔ گو یہ حرام ہے لیکن ہمارے لئے خدا نے جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ کہنے لگا کہ میرے لئے اور میرے بچوں کے لئے تو حلال ہے کیونکہ ہمارے یہ حالات ہیں لیکن تیرے لئے حلال نہیں ہے۔ اس میں ایک یہ بھی سبق ہے کہ اس نے اپنے ہمسائے کا روحانی طور پر اتنا خیال رکھا اور صاف گوئی سے بات کر دی۔ اس شخص کو ان حالات سے اتنا شاک (Shock) پہنچا اور اتنا صدمہ ہوا کہ اس نے کہا کہ میں گھر گیا اور میں نے تھیلی میں جو پیسے حج کرنے کے لئے جمع کئے ہوئے تھے وہ لا کر اپنے دوست کو دے دیئے۔ خدا تعالیٰ نے اس کا حج قبول کر لیا اور اس کے طفیل اور بہتوں کے حج بھی قبول کر لئے پس ایک ہیں حج کے ظاہری ارکان، مناسک حج اور ایک ہیں حج کے ساتھ ہی تعلق رکھنے والے ایسے خفیہ اعمال صالحہ یا اعمال صالحہ سے بھی بڑھ کر اچھے اعمال جن کو خدا تعالیٰ قبول کرتا اور جن کے طفیل پھر بہتوں کے رد کئے ہوئے حج بھی قبول کر لیتا ہے۔ غرض ایک ہے ظاہر اور ایک ہے باطن۔ اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی ظاہر نہیں بلکہ پوشیدہ ہے۔ اس واسطے جب ہم خدام سے باتیں کرتے ہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اپنے رب کے ساتھ اپنے پوشیدہ تعلقات کو مضبوط بناؤ اور ایک زندہ تعلق اپنے رب سے پیدا کرو لیکن ہم اس کی تفصیل میں نہیں جاتے۔ نہ اس کے اوپر کوئی پابندی لگاتے ہیں۔ نہ ان کے جائزے لیتے ہیں اور نہ قائدین یا زعماء یا دوسرے عہدیداروں کو اس کا ذمہ وار ٹھہراتے ہیں۔ ہم وعظ کرتے ہیں۔ ہم نصیحت کرتے ہیں اور بس اور اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں

وہ اعمال جن کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے بعض پہلو بھی

ہوئے ہیں۔ لیکن ان کے وہی پہلو چھپے ہوئے ہیں جن کا تعلق پھر حقوق اللہ کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے حقوق العباد کی ادائیگی بھی بعض دفعہ سرّاً اور خفیہ طور پر کی جاتی ہے۔ علانیہ نہیں کی جاتی۔ لیکن عام طور پر وہ ظاہر ہیں اور ہم ان کا جائزہ لیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمسائے کے حقوق کا خیال رکھو۔ ہم کہتے ہیں کہ بیواؤں کا خیال رکھو۔ ہم کہتے ہیں کہ یتامیٰ کا خیال رکھو۔ میں نے اعلان کیا تھا کہ تمہارے علاقہ اور ماحول میں کوئی شخص رات کو بھوکا نہ سوئے۔ ایک وقت میں جماعت نے چوکس اور بیدار رہ کر اس پر عمل کیا تھا لیکن میری سستی کہ میں نے شاید وقت پر ان کو دوبارہ جھنجوڑا اور بیدار نہیں کیا چنانچہ مجھ پر یہ اثر ہے کہ اب اتنی توجہ کے ساتھ اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا حالانکہ یہ تو بنیادی چیز ہے۔ کوئی احمدی بھی رات کو بھوکا نہیں سونا چاہیئے۔ یہ معمولی چیز نہیں ہے بلکہ حقوق العباد کی ادائیگی میں یہ بنیادی حیثیت رکھنے والی چیز ہے۔ جہاں ہمیں یہ کہا گیا ہے کہ لالچ نہ کرو۔ حرص نہ کرو۔ دوسروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔ وہاں ہم میں سے ہر ایک کو یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوسروں کے حقوق ادا کرو جو شخص کمزور ہے اس کی کمزوری کے نتیجہ میں اس کے حقوق تلف ہو رہے ہیں تم اس کی مدد کو پہنچو اور اس کی حق تلفی نہ ہونے دو۔ مثلاً ایک شخص گھر میں اکیلا بیمار پڑا ہے تو کمزوری کی وجہ سے اس کا یہ حق تلف ہو رہا ہے کہ وہ دوائی لائے اور کھائے۔ "وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ" اور بازار سے کھانا خریدے اور اپنا پیٹ بھرے خدام الاحمدیہ کو ہم کہتے ہیں کہ ایسے وقت میں تم مستعدی کے ساتھ جاؤ اور مدد کرو۔ بہرحال کوئی احمدی رات کو بھوکا نہ سوئے۔ جب شروع میں میں نے یہ اعلان کیا تو ہمارے ایک دوست نے جو احمدی نہیں ہیں مجھے تیز قسم کا ایک خط لکھا اور مجھے بڑا لطف آیا۔ انہوں نے لکھا کہ ہم نے آپ کا کیا گناہ کیا ہے کہ آپ نے یہ کہہ دیا کہ کوئی احمدی رات کو بھوکا نہ سوئے۔ ہم نہیں انسان؟ آپ کو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ کوئی انسان رات کو بھوکا نہ سوئے۔ میں نے ان کو پیار سے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ ایک تو ہمیں خدا تعالیٰ نے اتنی مالی فراخی نہیں دی کہ ہم پاکستان کے سارے بھوکوں کو رات کو کھانا کھلا دیں اور دوسرے یہ کہ میں تو ایسا کرنے کو تیار ہوں اور میرے دل میں تڑپ تھی۔ میں چاہتا تھا کہ ایسا کہوں لیکن اگر میں یہ کہتا کہ کوئی انسان بھی بھوکا نہ سوئے خواہ وہ احمدی ہو یا کوئی اور ہو خواہ وہ کسی فرقے یا کسی مذہب سے تعلق رکھنے والا ہو۔ تو تم میں سے ہی بہت سے لوگ اعتراض کر دیتے اور کہتے کہ یہ فساد پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس واسطے میں نے اس فساد سے بچنے کے لئے صرف جماعت کے متعلق کہا ہے۔ ورنہ میں چاہتا ہوں کہ جہاں بھی جماعت احمدیہ کے افراد کو توفیق ملے وہ کسی کو بھی رات کو بھوکا نہیں رہنے دیں گے۔ بہرحال اس کے مطالبے میں صداقت تو تھی لیکن حالات کا تقاضا یہ تھا کہ فتنے کے سامان نہ پیدا کئے جائیں۔ البتہ غیر خاندان یہ کہیں کہ ہمیں کوئی اعتراض نہیں تم ہمارا خیال رکھو ہمارے حقوق کا خیال رکھو خود آکر ان کو ادا کرو اگر ہم خود دوائی نہ لا سکیں تو تم ہمیں دوا لا کر دو۔ اگر ہم بھوکے ہیں تو ہمیں کھلا دیں تو جماعت کا یہ فرض ہے کہ ان کے حقوق کا خیال رکھے۔ میں نے

اعلان کیا تھا کہ جو علاقہ خوشتہ گرمیکے وہ مجھے لکھے۔ پھر میں ذمہ وار ہوں اور اس کا انتظام کر دیا جائے گا۔ اصل تو خدا نے مجھے ہی ذمہ وار قرار دیا ہے۔ احمدیوں میں سے بھی کئی دوست جن کو علم نہیں ہوتا۔ کہہ دیتے ہیں کہ جی فلاں ہوا ہے اس کا کوئی خیال نہیں رکھ رہا۔ میں ان کو یہ جواب دیا کرتا ہوں کہ تم خیال نہیں رکھ رہے۔ کیونکہ جب میں نے یہ اعلان کیا ہے کہ میرے علم میں لاؤ اور جماعت اس کا خیال رکھے گی لیکن تم میرے علم میں نہیں لائے تو تم ذمہ وار ہو جماعت کیسے ذمہ دار ہو سکتی ہے اس کی۔ اور خدا کے فضل سے اگر ہمارے پاس ہیرے اور جواہرات ہوں تو ہم تمام بھائیوں کے گلوں میں ہیروں کے ہار ڈال دیں۔ لیکن اس وقت نہیں ہیں اس لئے جو کچھ ہمارے پاس ہے ہم حصہ رسدی ان کو دیں گے اور اگر ضرورت پڑی تو اپنے پیٹ کاٹ کر بھی دیں گے۔ اس کا مظاہرہ ایک جلسے پر بھی ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ ٹیوں کے انتظام میں بعض ایسی وجوہ سے کچھ بدنظمی پیدا ہو گئی تھی جس کے ہمارے منتظم ذمہ دار نہیں تھے۔ چنانچہ صبح کے وقت میں نے اعلان کیا کہ سب دوست ایک روٹی کھائیں۔ مجھے پتہ لگا کہ جن کے گھروں میں روٹی پک رہی تھی۔ انھوں نے بھی ایک ہی کھائی۔ اور وہ تو ایک وقت کی بات تھی۔ اس کے بعد انتظام ٹھیک ہو گیا لیکن بہت سے باہر سے آنے والے مہمانوں نے کہا کہ اب ہم سارے جلسے میں ہی ایک روٹی کھائیں گے۔ دو نہیں کھائیں گے۔ اور پھر بہت سے ربوہ کے رہنے والوں نے کہا کہ اب ہم جلسے کے ایام میں لنگر کو روٹیاں بھجواتے ہی رہیں گے۔ جیسا کہ ہمیں پہلے کہا گیا تھا کہ اتنی اتنی روٹیاں گھروں میں پکا کر ہمیں بھیج دو۔ پس خدا تعالیٰ ایسے مواقع پیدا کر دیتا ہے کہ ہمارے اندر کی چھپی ہوئی طاقت باہر نکل کر ہمارے سامنے آجاتی ہے اور اس سے اپنی جماعت میں سے ہی وہ لوگ جن کی نظر سے ایسی باتیں اوجھل ہوتی ہیں وہ ایک سبق لیتے ہیں۔ اعمالِ صالحہ جن کا حقوق العباد سے تعلق ہے وہ ایک رنگ کے نہیں ہیں یعنی حقوق العباد مختلف قسم کے ہیں۔ جن کی ہم نے ادائیگی کرنی ہے۔ ان حقوق العباد کی ادائیگی کا ایک حصہ خاص طور پر مجلس خدام الاحمدیہ کے سپرد ہے اور موجودہ حالات میں خاص طور پر اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

بہت دیر کی بات ہے اس وقت تعلیم الاسلام کالج ابھی لاہور میں تھا کہ ایک دفعہ فلڈ (سیلاب) آیا اور بہت سارے گاؤں پانی میں گھر گئے اور ان کے کھانے پینے کا انتظام مشکل ہو گیا۔ چنانچہ حکومت کی انتظامیہ نے ہوائی جہازوں کے ذریعہ ان کو بھنے ہوئے چنے یا پکی ہوئی روٹیاں دینا شروع کیں۔ ڈی سی صاحب کے سپرد یہ کام ہوا۔ انھوں نے دوسرے کالجوں سے بھی کام لیا اور تعلیم الاسلام کالج کو بھی کہا۔ ہمیں انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ لوگوں پر ہمیں زیادہ اعتبار ہے۔ ممکن ہے کہ دوسروں کو بھی کہا ہو کہ ان پر زیادہ اعتبار ہے۔ بہرحال ہمارا ایک وفد شہر کے ایک محلے میں گیا ان لوگوں کے لئے روٹیاں لینے کے لئے جن کا جماعت احمدیہ سے کوئی تعلق نہیں تھا اور اس وقت کالج کے طلبہ نے قوم کی اور اپنے بھائیوں کی بڑی خدمت کی لیکن وہاں پر کوئی شخص تھا جس کے دماغ میں شیطان نے وسوسہ ڈالا تعصب آیا اور اس نے کہا کہ دوڑ جاؤ تم مرزائی یہاں آگئے ہو روٹیاں مانگنے کے لئے۔ ہم تمہیں "چپیڑیں" لگائیں گے۔ اب آج

توجہ لے لی ہیں۔ دے لی ہیں کل سے نہ آئیں؟ خیر وہ طلبہ میرے پاس آ بیٹھے۔ میں نے انھیں کہا کہ یہ بات اس وقت "چپیڑ" کھانے یا نہ کھانے کی نہیں ہے بلکہ اس وقت ہمارے سامنے مسئلہ یہ ہے کہ بہت سے گاؤں ہیں جن کو اگر روٹی نہ ملی تو وہ رات کو بھوکے رہیں گے اس واسطے جاؤ اور تم ہی پھر اس محلہ میں جاؤ گے۔ تم ان کو جا کر کہو کہ ہم "چپیڑیں" کھانے آئے ہیں اور روٹیاں لینے آئے ہیں کیونکہ انھوں نے کہا ہے کہ ہم "چپیڑیں" ماریں گے۔ اگر تم نے روٹیاں مانگیں ان سے کہو کہ فی چپیڑ ایک روٹی دیتے چلے جاؤ اور جتنی مرضی "چپیڑیں" مار لو اور ان کو یہ سمجھاؤ کہ اس وقت تو سوال یہ ہے کہ ہمارے تمہارے بھائی پانی میں گھرے بیٹھے ہیں اور بھوکے ہیں۔ حکومت نے یہ انتظام کیا ہے اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ وہاں روٹیاں اور دوسری چیزیں پھینک رہے ہیں اور ہم بیچ میں یہ سوال لے آئے ہیں یہ تو معقول اعتراض نہیں ہے تمہیں پھر کسی وقت "چپیڑوں" کا خیال آنا چاہیئے تھا۔ اس وقت نہیں آنا چاہیئے تھا۔ بہرحال ہم "چپیڑیں" کھانے کے لئے آ گئے ہیں۔ انسان اندر سے شریف ہے۔ شرفِ انسانی کا اعلان اسلام نے یونہی نہیں کیا بلکہ انسان حقیقتاً اندر سے شریف ہے۔ البتہ وہ بہک جاتا ہے۔ بعض لوگ عوام کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ بہک جاتے ہیں لیکن وہ بُرے نہیں ہیں۔ چنانچہ جب ان کو یہ کہا کہ فی چپیڑ ایک روٹی دیتے جاؤ۔ ہم چپیڑ کھانے کے لئے تیار ہیں تو ان میں شرمندگی کا اتنا احساس پیدا ہوا کہ انھوں نے کہا۔ نہیں چپیڑیں نہیں مارتے بلکہ روٹیاں دیں گے۔ اُن روٹیوں سے احمدی کا پیٹ تو نہیں بھرا تھا۔ ان روٹیوں سے اس غیر احمدی مسلمان کا پیٹ بھرا تھا جو سیلاب کے پانی کے اندر گھر گیا تھا اور حکومت کے انتظام کے ماتحت ان کو روٹیاں بھیجی جا رہی تھیں۔

اس وقت تمہارے ذہنوں میں کوئی تلخی نہیں آنی چاہیئے کہ جی ہمیں کافر قرار دے دیا ہے۔ اسی سال سے ہمیں کافر قرار دیا جا رہا ہے۔ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ اور اس میں ہمارے لئے کوئی ذلت کی بات نہیں ہے۔ پرانے زمانے کے جو بادشاہ ہوتے تھے۔ انھیں کا حکم چلتا تھا۔ جو اُن کی خدمت کرتا تھا وہ ان کی رضا کو حاصل کر لیتا تھا اور جس سے مثلاً انگلستان کا بادشاہ خوش ہوتا اور اسے کہتا تھا کہ جا میں نے تجھے لارڈ بنا دیا تو وہ بڑی جائیداد حاصل کر کے لارڈ بن جاتا تھا۔ اگر اس قسم کی بادشاہت کے خلاف اس وقت کوئی لبرل (Liberal یعنی آزاد) خیالات کا آدمی اس لارڈ کے پاس جا کر کہتا کہ جا میں نے تجھ سے تیرا ٹائٹل (خطاب) چھین لیا تو کیا اس کو غصہ چڑھے گا؟ بالکل غصہ نہیں چڑھے گا۔ وہ کہے گا کہ تمہارا تعلق ہی کوئی نہیں نہ تمہیں خدا نے اس بات کی طاقت دی ہے۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۔ حقیقی مسلمان تو متقی ہی ہے اور قرآن کریم نے بڑی وضاحت سے یہ اعلان کیا ہے کہ یہ فیصلہ کرنا کہ کون متقی مسلمان ہے اور کون نہیں۔ خدا کا کام ہے۔ یہ کسی بندے کا کام نہیں۔ میرا بھی کام نہیں۔ تمہارا بھی کام نہیں۔ کسی انسان کا بھی یہ کام نہیں۔ پس اگر خدا تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو [illegible] نگاہ میں ابتدائی رنگ میں تم مسلمان ہو تو کسی انسان کے کافر قرار دینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جماعت

کچھ منافق بھی ہیں اور کمزور ایمان والے ایمان کی پختگی کے لئے سعی کرنے والے بھی ہیں سارے اپنی اپنی جگہ پر ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الہام کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ کو اجتماعی رنگ میں یہ کہا ہے کہ میری نگاہ میں تم مسلمان ہو۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وحی اور الہام سچا ہے۔ ہم نے تو اپنی بات کرنی ہے۔ پس پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے نزدیک خدا تعالیٰ نے اپنی سچی وحی اور سچے الہام کے ذریعہ ہمارے کان میں یہ عجوبہ کہا ہے کہ میری نگاہ میں تم مسلمان ہو۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں پتہ ہے کہ اگر قرآن کریم سچا ہے تو اسلام اور تقویٰ کا فیصلہ کرنا انسان کا کام نہیں ہے بلکہ خدا کا کام ہے اور یقیناً قرآن کریم سچا ہے۔ پس ہمارے نزدیک اس میں کسی اشتباہ کی ضرورت نہیں کہ ہم یہ شبہ کریں کہ قرآن کریم تو کچھ کہتا ہے اور حقیقت کچھ اور ہے۔ نہیں جو قرآن کریم کہتا ہے وہی سچ اور وہی صداقت ہے۔ ان باتوں میں بھی وہی صداقت پر ہے۔ جن کو ہماری عقلیں ابھی سمجھ نہیں سکیں۔ پھر عقل ترقی کرتی ہے اور پھر سمجھ جاتی ہے اس واسطے جب تک عقل کو سمجھ نہ آئے اس وقت تک قرآن کریم کی ہدایات کے مختلف پہلوؤں پر ایمان بالغیب لانا پڑتا ہے۔ جس کی کہ ہمیں تلقین کی گئی ہے۔ پھر جب سمجھ آجاتی ہے تو وہ ایمان بالغیب نہیں رہتا ہے بلکہ انسان علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہے کہ میرا یہ ایمان ہے۔ بہرحال ہمارا یہ ایمان ہے۔ میں کسی اور کی بات نہیں کر رہا۔ ایک احمدی کا یہ ایمان ہے اور علیٰ وجہ البصیرت اس کا دل اور اس کی روح اس حقیقت کو پہچانتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اسے مسلمان کہا ہے۔ پس اگر یہ درست ہے اور جہاں تک ہمارے ایمان کا تعلق ہے۔ یقیناً یہ درست ہے نیز اگر یہ درست ہے کہ تقویٰ کا فیصلہ کرنا قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق ہمارے نزدیک صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے تو جن کا کام ہی نہیں اسلام اور تقویٰ کے متعلق فیصلہ کرنا اگر وہ آپ کو غیر مسلم کہہ دیں تو کیا آپ کو غصہ آئیگا؟ کیا پاگل ہیں آپ؟ آپ کو بالکل غصہ نہیں آئے گا۔ آپ کو تو رحم آئے گا۔ اور رحم آنا چاہیئے کہ وہ چیز جس کو خدا نے اپنے اختیار میں رکھا تھا ایک انسان غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس کے اختیار میں ہے۔ اس کو تو خدا نے اختیار ہی نہیں دیا۔ کسی کو خدا نے اختیار نہیں دیا۔ قرآن کریم میں کہیں نہیں آتا کہ اگر ساری دنیا کے مسلمان بھی اکٹھے ہو جائیں تو اس وقت خدا تعالیٰ اپنا اختیار ڈیلیگیٹ (delegate) کر کے ان کو دے دیتا ہے کہ لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى کی بجائے تم لوگ زیادہ جانتے ہو کہ کون متقی ہے۔ خدا نے تو اپنی پاور (Power) ڈیلیگیٹ نہیں کی۔ نہ وہ ایسا کبھی کرتا ہے۔ بلکہ خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور قیامت تک اس کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن کریم کا کوئی حصہ کبھی منسوخ نہیں ہوتا نہ انسانی عقل اس میں کوئی ردّ و بدل کر سکتی ہے۔

پس ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری نیشنل اسمبلی نے ۷ ستمبر کو یہ فیصلہ کیا تھا کہ دستور یا قانون کی اغراض کے لئے دستور یا قانون احمدیوں کو مسلمان نہیں سمجھے گا۔ اتنی سمجھ تھی ان کو۔ اتنا تو ان کو کریڈٹ (credit) دو کہ وہ یہ جانتے تھے کہ وہ یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ احمدی خدا کی نگاہ میں بھی مسلمان نہیں۔ یہ تو ان کو کریڈٹ (credit)

جاتا ہے کہ انہوں نے صرف یہ فیصلہ کیا کہ دستور یا قانون احمدیوں کو مسلمان نہیں سمجھے گا۔ اور پھر یہ بھی دیکھو، تو کفر کا فتویٰ نہیں لگا۔ اس واسطے یاد رکھو کہ اگر خدمت کے جذبہ میں کمزوری پیدا ہو گئی تو یہ تمہارے ایمان کی کمزوری ہے گویا تم یہ سمجھتے ہو کہ تقویٰ کا فیصلہ کرنا خدا کے اختیار میں نہیں بلکہ انسان کے اختیار میں ہے۔ پس انسان تمہارے متعلق جو مرضی فتویٰ دیتا رہے اس وقت تک کہ تم خدا کی نگاہ میں مسلمان سمجھے جاؤ ـــــ جس کے لئے تم دعائیں کرو۔ جس کے لئے تم اعمالِ صالحہ بجا لاؤ۔ جس کے لئے تم مجاہدہ کرو۔ جس کے لئے تم خدا میں فنا ہو کر زندگی گزارنے کی کوشش کرو ـــــ تم مسلمان ہو لیکن جب خدا تعالیٰ کی نگاہ میں هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی کے مطابق تم مسلمان نہ رہو یا تم میں سے کوئی مسلمان نہ رہے یا تم میں سے کوئی ارتداد اختیار کر لے تو اس کا معاملہ اس کے خدا کے ساتھ ہے۔ ہمارے ساتھ تو اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یعنی جو اسلام سے ارتداد اختیار کرتا ہے اس کا میرے اور آپ کے ساتھ کیا تعلق۔ جو ہر وقت، ہر آن اور ہر لمحہ اسلام پر جان قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور اسلام کے بغیر زندگی کو زندگی نہیں سمجھتے۔ نہ پھر اس دنیا میں زندہ رہنے کا ہمارے نزدیک کوئی مزہ ہے۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ کا پیار حاصل نہ ہو۔ یہ زندگی تو پھر کھانے پینے سونے جاگنے اور ناچنے کودنے کا نام بن جاتی ہے۔ زندگی کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

پس اصل بات جو میں خدام الاحمدیہ کو اس وقت کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ خدمت کے جذبہ میں کوئی کمی نہیں آنی چاہیئے۔ آپ اسی بشاشت کے ساتھ اور اسی والہانہ جذبہ کے ساتھ ہر انسان کی خدمت کرتے رہیں۔ اور جو پاکستان میں رہتے ہیں وہ پاکستانی مسلمانوں کی بھی اور دوسرے سب لوگوں کی بھی خدمت کریں اور یہ خیال ہی دل میں نہ لائیں کہ انہوں نے کیا کہا اور کیا پاس کیا اور کیا نہیں کیا۔ یہ چیز بتائے گی کہ واقعہ میں خدا تعالیٰ کے پیار کی آپ کے دل میں قدر ہے ورنہ تو پھر آپ کی بھی انسانوں والی لڑائی ہو گئی نا۔ کہ انسان انسان سے لڑ پڑا۔ لیکن ہم نے کسی سے نہیں لڑنا۔ نہ کوئی ہمارا دشمن ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے متعلق فرمایا ہے اور اپنی جماعت کے متعلق یہی فرمایا ہے کہ میں تو کسی کا دشمن نہیں۔ ہاں جو بدعقائد اور باطل خیالات ہیں میں ان کو دنیا سے مٹانا چاہتا ہوں۔ باطل خیالات کو دنیا سے مٹانے کی کوشش کرنا دشمنی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ خیر خواہی ہے۔ اس کو تو دشمنی نہیں کہا جا سکتا اس کو تو خدمت کا جذبہ کہا جائے گا۔ لیکن صرف یہی نہیں بلکہ خدام الاحمدیہ نے تو مثلاً کمزور کی کمزوری کو دور کرنا ہے جس حد تک بھی تمہیں طاقت ہے تم کمزور کو کھانا کھلاؤ۔ اس کو دوائی لا کر دو۔ اس کے حقوق تلف ہو رہے ہیں تو جائز طریقوں سے فساد پیدا کئے بغیر اس کے حقوق اس کو دلاؤ اور دنیوی دوستیوں کے مطابق ان سے حسن سلوک کرو۔ اپنے آپ کو ان سے برتر خیال نہ کرو بلکہ خود کو خادم سمجھو اور ان کو بھی یہ احساس ہو کہ یہ شخص جو [illegible] ہے اس کے دل میں ہماری خدمت کا ایک جذبہ ہے۔ اگر تم یہ کرو گے تو تم نے اپنے مقصد کو حاصل کر لیا۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو اس کی توفیق عطا کرے ـــــ اب دعا کر لیں!" (اس کے بعد حضور نے اجتماعی دعا کروائی)

(مرتبہ: محمد انور قریشی)

قیامِ پاکستان اور جماعت احمدیہ

حد بندی کمیشن میں جماعت احمدیہ کی خدمات

از محترم چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب مدظلہ العالی
سابق صدر عالمی عدالت انصاف ہیگ (ہالینڈ)

برطانوی وزیر اعظم نے اپنے ۳؍ جون ۱۹۴۷ء کے بیان میں تقسیم ملک کے منصوبے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے ہوتے ہی میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے فیڈرل کورٹ آف انڈیا سے علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے اپنا استعفیٰ بھیج دیا کہ ۱۰؍ جون سے میں عدالت سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ اس وقت میرا ارادہ تھا کہ تقسیم کے بعد میں پہلے کی طرح لاہور میں وکالت کروں گا لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ ان دنوں ہز ہائی نس نواب سر حمید اللہ خان صاحب والیٔ بھوپال دلّی میں فروکش تھے۔ جب انھیں میرے ارادے کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے فرمایا تم کچھ عرصہ کے لئے میرے پاس بھوپال آجاؤ۔ تاکہ میں اس مشکل مرحلہ میں جو والیانِ ریاست کو درپیش ہے تم سے مشورہ کر سکوں۔ نواب صاحب کی طرف سے میں پہلے بھی بہت کریمانہ الطاف کا مورد رہ چکا تھا اس لئے ان کا ارشاد میرے لئے واجب التعمیل تھا۔ نواب صاحب نے ارشاد فرمایا کہ تم دو ہفتے کے لئے لندن چلے جاؤ۔ تمہاری وہاں بہت سے ارکانِ پارلیمنٹ سے شناسائی ہے۔ تم وہاں یہ جائزہ لینا کہ مسودے پر بحث کے دوران میں کیا کسی ایسی وضاحت کا امکان ہے جس سے نئے آئین میں والیانِ ریاست ہائے ہند کے حقوق کی حفاظت ہو سکے۔ میں نواب صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں سفر انگلستان کے لئے تیار ہوا تو دلّی سے پیغام آیا کہ قائدِ اعظم نے طلب فرمایا ہے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ پنجاب میں جو کمیشن حد بندی کے لئے قائم کیا جانے والا ہے اس کے سامنے مسلم لیگ کی طرف سے وکالت کی ذمہ داری ہم تمہارے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ میں حاضر ہوں۔ لیکن نواب صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں عازمِ انگلستان ہونے والا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کمیشن کی کارروائی کب شروع ہو گی اور مجھے تیاری کے لئے کتنا وقت ملے گا۔

قائدِ اعظم: تم انگلستان کتنا عرصہ ٹھہر و گے؟

ظفر اللہ خان: میرا اندازہ تو پندرہ دن کا ہے۔

قائدِ اعظم: پھر کوئی فکر نہیں کمیشن کی کارروائی شروع ہونے میں ابھی خاصی دیر ہے۔ ابھی تو کوئی ایمپائر بھی مقرر نہیں ہوا۔

ظفر اللہ خان: ایمپائر کے متعلق میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں کسی ایسے شخص کے تقرر پر مصر رہنا چاہیئے جس کی دیانت پر پورا اعتماد ہو سکے۔ جو صاحب مقرر ہوں وہ کسی اثر و رسوخ کے ماتحت یا کسی کے کہنے کہلانے کے نتیجہ میں کوئی فیصلہ نہ کریں گے۔

قائدِ اعظم: میں تمہارے مشورہ کو ذہن میں رکھوں گا۔

ظفر اللہ خان: آپ کو کوئی اندازہ بتایا گیا ہے کہ مجھے باؤنڈری کمشن والے معاملہ میں تیاری کے لئے کتنا عرصہ درکار ہوگا؟

قائدِ اعظم: تمہیں کافی وقت مل جائے گا۔ لاہور کے وکلاء نے پورا کیس تیار کر لیا ہوگا۔ تمہیں صرف اپنے دلائل کو ترتیب دینا ہوگا۔ اور اسلوب بحث طے کرنا ہوگا۔

ظفر اللہ خان: میں لندن سے واپسی پر کراچی سے سیدھا لاہور چلا جاؤں گا۔ وہاں میں کس کو اپنی آمد سے مطلع کروں گا؟

قائدِ اعظم: نواب ممدوٹ سب انتظام کریں گے

قائدِ اعظم سے رخصت ہو کر میں لندن چلا گیا۔

میں ابھی لندن میں ہی تھا کہ سر سیرل ریڈکلف کو حد بندی کمشن کا چیئرمین مقرر کئے جانے کا اعلان ہو گیا۔ اس خبر سے مجھے بڑی تشویش ہوئی۔ سر سیرل ایک بیرسٹر تھے جو ابھی پریکٹس کر رہے تھے وہ پارلیمینٹ کے رکن بھی تھے ان پر کسی طرح کے اثر ڈالنے کا امکان تھا۔

لندن سے کم سے کم عرصہ ٹھہرنے کے بعد میں کراچی ہوتا ہوا اپنے اندازے سے پہلے ایک دن لاہور پہنچ گیا۔ نواب صاحب ممدوٹ اور بہت سے احباب سٹیشن پر آئے ہوئے تھے۔ نواب صاحب سے معلوم ہوا کہ ریڈکلف لاہور پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے دوسری صبح گیارہ بجے فریقین کے وکلاء کو طلب فرمایا ہے۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ کل بارہ بجے دوپہر میرے مکان پر تمہاری ملاقات ہمارے وکلاء کے [illegible] ہو گی۔ اس سے مجھے کچھ اطمینان ہوا کہ اگرچہ وقت تھوڑا ہے لیکن وکلاء نے کیس کی تیاری کی ہوئی ہوگی۔ ان کے ساتھ مشورہ کے بعد اللہ کے فضل سے اور اسی کی عطا کردہ توفیق سے بحث کے شروع ہونے تک کیس کا ڈھانچہ تیار ہو سکے گا۔ یہ سوموار کی شام تھی دوسرے دن منگل صبح گیارہ بجے ہم سر سیرل ریڈکلف کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کمشن کے اراکین جسٹس دین محمد صاحب، جسٹس محمد منیر صاحب، جسٹس مہر چند صاحب مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ صاحب موجود تھے سر سیرل نے کمشن کا پروگرام بتلاتے ہوئے حکم دیا کہ آنے والے جمعہ کی دوپہر تک فریقین اپنے تحریری بیانات داخل کریں۔

منگل کی دوپہر ہو چکی تھی اور تحریری بیانات جمعہ کی دوپہر تک داخل کئے جانے تھے۔ اسی وقت تک مجھے اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ میرے ساتھ کون سے وکلاء

کام کریں گے۔ اور انھوں نے تحریری بیان یا اس کے لئے ضروری مواد تیار کر لیا ہے یا نہیں اور بحث کی تیاری میں میرے رفقاء کہاں تک میری مدد کر سکیں گے۔ میں وقت مقررہ پر محمود ٹ والا پہنچ گیا وہاں بہت سارے احباب دکلاء موجود تھے۔ میں نے دکلاء صاحبان سے دریافت کیا کہ آپ میں سے کون کون سے صاحب اس کیس میں میرے رفیق کار ہیں۔ اس پر ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب نے فرمایا۔ کونسا کیس میں ؟ میں نے کہا اس حد بندی کے کیس میں جس کے لئے میں حاضر ہوا ہوں۔ خلیفہ شجاع الدین صاحب نے فرمایا ہمیں تو کسی کیس کا کوئی علم نہیں۔ ہم سے تو صرف یہ کہا گیا ہے کہ تم کیس کی پیروی کے لئے آئے ہو اور اس کمیشن کے روبرو مسلم لیگ کا کیس تم پیش کرو گے اور تمہیں ملنے کے لئے ہمیں اس وقت یہاں آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ میں نہایت سراسیمگی کی حالت میں اٹھ کھڑا ہوا اور وکلاء صاحبان سے معذرت خواہ ہوا کہ وقت بہت کم ہے اور مجھے کیس کی تیاری کرنی ہے اس لئے رخصت چاہتا ہوں۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور اپنی قیام گاہ پر واپس آ گیا۔ نماز میں درگاہ رب العزت میں فریاد کی اور التجی ہوا الٰہی! میں تن تنہا عاجز اور بے کس اور ذمہ داری اس قدر بھاری۔ اس فرض کی کما حقہ ادائیگی کس طرح ہو سکے گی؟ تو جانتا ہے میں بالکل خالی اور مفلس ہوں لیکن تجھے ہر قدرت ہے تو اپنے فضل و رحم سے مجھے فہم اور توفیق عطا فرما اور خود میرا حامی و ناصر ہو۔

میں نماز سے فارغ ہوا تو معلوم ہوا خواجہ عبدالرحیم صاحب تشریف لائے ہیں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا ہمارا وقت بہت قیمتی ہے۔ میں زیادہ وقت لینا نہیں چاہتا میں کچھ کاغذات لایا ہوں۔ میں نے اپنے طور پر سرکاری ریکارڈ سے پنجاب کے دیہات، تھانہ جات، تحصیلات اور اضلاع کی فرقہ وارانہ آبادی کے اعداد و شمار جمع کرائے ہیں۔ یہ سارے صوبے کی آبادی کے نقشہ جات ہیں۔ ممکن ہے تمہیں کیس کی تیاری میں ان سے کچھ مدد مل سکے۔ اس کے علاوہ کیس کے سلسلہ میں اگر تمہیں کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ میرا دل اللہ کے شکر سے لبریز ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس قادر و رحیم نے میری مضطربانہ دعا کے جواب میں اس قدر میری بے کسی پر رحم کی نظر ڈالی اور اپنی طرف سے ضروری معلومات کا ایک بے بہا خزانہ مجھے عطا فرمایا۔ میری ڈھارس بندھی کہ جس قادر ہستی نے چند لمحوں کے اندر غیب سے اس قدر قیمتی مواد مجھے عطا فرمایا کہ جس کے بغیر میں ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا وہ ضرور باقی مراحل میں بھی میری دستگیری فرمائے گا اور اپنی رحمت سے مجھے فہم اور توفیق عطا فرمائے گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مسلم لیگ کے کیس کی تیاری میں گراں قدر امداد :

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ ان دنوں لاہور میں تشریف فرما تھے۔ بدھ کی سہ پہر کو مولانا عبدالرحیم صاحب درد تشریف لائے اور فرمایا۔ حضرت صاحب نے یہ دریافت کرنے کے لئے مجھے بھیجا ہے کہ حضور رضی اللہ عنہ کس وقت تشریف

اُن کو تمہیں تقسیم کے بعض پہلوؤں کے متعلق اور معلومات بہم پہنچائیں۔ خاکسار نے گزارش کی کہ جس وقت حضور رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہو خاکسار حضور کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔ درد صاحب نے فرمایا۔ حضور رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ تم نہایت اہم قومی فرض کی انجام دہی میں مصروف ہو تمہارا وقت بہت قیمتی ہے تم اپنے کام میں لگے رہو۔ ہم وہیں تشریف لائیں گے۔ موجودہ حالات میں یہی مناسب ہے۔ چنانچہ حضور رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ اور بٹوارے کے اصولوں کے متعلق بعض نہایت مفید حوالوں کی نقول خاکسار کو عطا کیں اور فرمایا اصل کتب کے منگوانے کے لئے ہم نے انگلستان فرمائش بھیجی ہوئی ہے اگر وہ کتب بروقت پہنچ گئیں تو وہ بھی تمہیں بھیج دیں گے۔ نیز ارشاد فرمایا۔ ہم نے اپنے خرچ پر دفاع کے ایک ماہر پروفیسر کی خدمات انگلستان سے حاصل کی ہیں۔ وہ لاہور پہنچ چکے ہیں اور نقشہ جات وغیرہ تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ تم تحریری بیان تیار کر کے ان کے ساتھ مشورہ کے لئے وقت نکال لینا۔ وہ یہاں آ کر تمہیں یہ پہلو سمجھا دیں گے چنانچہ متعلقہ کتب انگلستان سے قادیان پہنچیں اور وہاں سے ایک موٹر سائیکل سوار سائڈ کار میں رکھ کر لاہور لے آئے اور دوران بحث وہ ہمیں میسر آگئیں۔ ان سے ہمیں بہت مدد ملی۔ پروفیسر سپیٹ نے دفاعی پہلو مجھے خوب سمجھا دیا۔ ہندو فریق کی طرف سے مسٹر ایم ایل سیتلواڈ نے ہندوستان کے دفاع کی ضروریات کی بناء پر نہایت زور سے دریائے جہلم تک کے علاقہ کا مطالبہ کیا۔ لیکن میری طرف سے پروفیسر سپیٹ کے تیار کردہ نقشہ جات کے پیش کرنے اور ان کی اہمیت واضح کرنے کے بعد فریق مخالف کی طرف سے کوئی معقول جواب اس موضوع پر نہ دیا گیا۔ بحث کے دوران میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ خود بھی اس اجلاس میں تشریف فرما رہے اور دعا سے مدد فرماتے رہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء!

جمعہ کی صبح کو میں نے مسودے کی آخری نظر ثانی کی اور صاف ٹائپ ہونے کے لئے دے دیا جسٹس دین محمد صاحب دلی سے واپسی پر سٹیشن سے سیدھے میری جائے قیام پر تشریف لائے اور بتایا کہ قائد اعظم استعفے کی تجویز پر رضامند نہیں ہوئے۔ انہوں نے فرمایا ہے تم سب لوگ اپنی طرف سے کوشش کرو۔ امید ہے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

مسودہ صاف ٹائپ ہو گیا تو میں نے شیخ نثار احمد صاحب ایڈووکیٹ کے سپرد کیا اور وہ اسے باؤنڈری کمیشن کے دفتر میں بارہ بجے سے قبل داخل کر آئے۔ مسجد احمدیہ میں جمعہ کے خطبہ میں میں نے اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اس مشکل وقت میں آستانہ الٰہی پر گرنے اور بہت خشوع اور عاجزی سے دعائیں کرنے کی تاکید کی۔

قائدِ اعظم کا اظہارِ خوشنودی

میں بحث کے سلسلہ میں ابھی لاہور ہی میں تھا کہ مجھے قائد اعظم کا پیغام ملا کہ کمیشن سے فارغ ہونے کے بعد میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دہلی جاؤں۔ انہوں نے کمال شفقت سے شام کے کھانے کی دعوت دی۔ حاضر ہونے پر معانقے کا شرف بخشا اور فرمایا میں تم سے بہت خوش ہوں۔ اور تمہارا نہایت ممنون ہوں۔ بعد میں طریق تقسیم اور [illegible] تقسیم کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ آپ سے رخصت ہو کر

جناب نسیم سیفی - ربوہ

کم ہیں اور کمزور بھی ہیں
اور بے ثروت ــــ بے مایہ
لانبے لانبے ہاتھ ہیں جن کے
تیکھی تیکھی نظریں
ان کی شوخ نگاہی میں ہم پرچھائیں - اک سایہ
گھور اندھیرے سے جو نکلا
اور میدان میں آیا
ان کی راہ میں روڑا بن کر
ٹھوکر کا امکان
دنیاداری کے سینے میں برپا ہے ہیجان
اللہ رے انسان
کتنا بھولا اور کتنا انجان
ہم بارش کا پہلا قطرہ

ہم گھنگھور گھٹائیں
جن کے دوش پہ بازو رکھ کر آتے ہیں جب آئیں
تم پوچھو تو نام بتائیں
قدرت کی ہیں تیز ہوائیں
ان کے بل بوتے پہ اپنی حرکت
جس میں برکت
پہلا قطرہ بوندا باندی - اور پھر چھاجوں چھاج
وقت ہمارا ہمراہی ہے
ہم ہیں "کل" اور "آج"
کر دیتا ہے اپنے ڈھب سے
وقت ہمارے کاج
ہم کم ہیں کمزور بھی ہیں

ایک تحقیقی مقالہ

عورقی 8 یونان کا ایک قدیم ریفارمر

اور حضرت مسیح علیہ السلام

واقعہ صلیب کے سو سال بعد جب عیسائیوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا تو انھوں نے قیصر روما ہیدریان (۱۱۷ء سے ۱۳۸ء) کے سامنے ایک محضر نامہ پیش کیا۔ یہ لضاریٰ روما کا اوّلین محضر نامہ ہے۔ افسوس کہ کلیسا نے اسے محفوظ نہیں رکھا کیونکہ اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک عارف، حکیم اور پیغمبر کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ قیصر ہیدریان علم و فضل کا دلدادہ تھا

"وہ مشرقی ملکوں کے اسرار و قصص اور ان کے پرانے آثار سے دلچسپی رکھتا تھا۔ اسے مشرقی مذاہب اور عقائد کے مطالعہ کا بھی شوق تھا۔"

اس نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام اور مصاحب کو ہدایت کی کہ وہ پیغمبر کنعان کے متعلق مزید معلومات حاصل کرے۔ ہیدریان نے اپنی سرگزشت قلمبند کروائی ہے "سرگزشت ہیدریان" میں لکھا ہے:۔

"عیسائیوں کے ایک لشپ نے اپنے عقیدہ کے دفاع میں ایک محضر نامہ پیش کیا۔ اس دستاویز کو میں نے اس فرقہ کے لئے بنیاد بنا لیا اور حکم دیا۔ کہ عیسائیوں کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جائے۔ اور گورنروں کو ہدایات جاری کیں۔ کہ ان کے خلاف جھوٹے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ اذیت رسانی بند ہونی چاہیئے۔ میں نے یہ محضر نامہ پڑھا اور یہاں تک دلچسپی لی کہ اس سلسلہ کے بانی کے متعلق مزید معلومات حاصل کی جائیں"

ہیدریان لکھتا ہے:۔

جناب شیخ عبد القادر - لاہور

"میں نے عیسائیوں کے بشپ
Quadratus قادریٹس
کی کتاب پڑھی اور یہاں تک دلچسپی
بڑھی کہ میں نے (اپنے مصاحب) فلیگن
کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ نوجوان پیغمبر
یسوع کے متعلق معلومات حاصل کرے
یسوع اس فرقہ کا بانی ہے۔ وہ تقریباً
سو سال قبل یہود کے مذہبی تعصب
کا نشانہ بنا اور فوت ہو گیا۔ ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ اس نوجوان حکیم نے اپنے
پیچھے ایسی تعلیمات چھوڑیں جو کہ (یونان
کے ریفارمر) عورفی کے مشابہ ہیں۔
یسوع کے شاگرد بھی اپنے آقا کا
مقابلہ وقتاً فوقتاً عورفی سے کرتے ہیں"

(Memoirs of Hadraian by Marguerite Yourcenar P. 228.)

قادریٹس کے مختصر نامہ کا صرف ایک اقتباس
"تاریخ کلیسا" یوسی بیوس میں درج ہے جس کا مفہوم
یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے انفاس طیبہ سے بیمار اچھے ہو گئے
مردے (قریب المرگ لوگ) زندہ ہو گئے۔ یہ کوئی خیالی
معجزہ نہیں بلکہ ایسے لوگ اس وقت موجود تھے۔ جب
حضرت مسیحؑ ہم میں تھے ان کی روانگی کے ایک عرصہ بعد
تک زندہ رہے۔ میرے زمانہ تک بعض لوگ زندہ رہے۔

(کتاب ۴ "تاریخ یوسی بیوس")

اس اقتباس میں حضرت مسیحؑ کے
departure کا ذکر ہے گویا بشپ مذکور نے ایک
ذومعنی لفظ استعمال کیا ہے۔ بیدریان نے اسے وفات
سے تعبیر کیا ہے اس کے معنے دراصل گزرنے اور روانگی
کے ہیں۔ اس لفظ میں بباطن ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابتدائی عیسائی عورفی
سے حضرت مسیحؑ کو مشابہت کیوں دیتے تھے؟ پہلے
ہم یہ دیکھتے ہیں کہ "عورفی" کون تھا؟

"عورفی" نام کی یونانی شکل **Orpheus**
ہے۔ یہ یونانی ریفارمر اساطیر یونان کی ایک مقبول شخصیت
ہے۔ وہ ایک عارف، حکیم اور مصلح تھا۔ مرور زمانہ
کے باعث یونانی علماء نے اس کی طرف بہت سی تعلیمات
غلط طور پر منسوب کر دی ہیں۔ یہاں تک کہ اسے یونانی
دیومالا میں شامل کر لیا گیا۔ عورفی یا عورفیس کی معروف
کہانی یہ ہے:۔

عورفیس، اپولو دیوتا کا بیٹا تھا۔ اس کی ماں
شعریت کی دیوی اور خداوند اعلیٰ ذیوس کی بیٹی تھی
وہ بربط اتنا اچھا بجاتا کہ جنگل کے وحشی درندے بھی
اس سے مانوس ہو جاتے۔ دریا بہنے بند ہو جاتے اور
درخت جھک جھک پڑتے تھے۔ "مقدس تحریرات"
اس نے پیش کیں۔ بالآخر وہ انسانوں کی صحبت ترک کر کے
کہیں اور چلا گیا اور پھر اس نے کبھی بربط نہ بجایا۔

اس کے انجام کے متعلق مختلف روایات ہیں:
بعض کہتے ہیں کہ ایک دوسرے دیوتا کے بدمست پجاریوں
نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ایک روایت ہے کہ [illegible]
نے اسے صرف اس وجہ سے قتل کر دیا کہ اس نے بربط بجائی

چھوڑ دیا تھا۔ وہ اس سے اس قدر ناخوش ہوئے کہ اس کا سر کاٹ کر دریا میں ڈال دیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ایک عورت نے اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی مگر اسے اپنی مرحومہ بیوی سے اتنی محبت تھی کہ اس نے اسکے نہ جانا۔ نتیجۃً اس عورت نے حسد میں جل بھن کر عورفلیس کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیئے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ شہر چھوڑ کر چلا گیا۔

عورفلیس چونکہ سیاح نبی تھا اس لئے اس کے سلسلہ کے لوگ "گھومنے پھرنے والے پیغامبر" (Wandering Prophets) کہلاتے تھے افلاطون نے ان کا ذکر کیا ہے۔ عورفلیس کی تعلیمات نے مشہور یونانی فلاسفروں کو متاثر کیا۔ اس کے ہاں پاکیزہ زندگی اور بقائے روح پر بہت زور ہے۔ عورفلیس کے بہت بعد ایک فلاسفر نے کتاب لکھ کر عورفلیس کی طرف منسوب کردی۔ اسی طرح بہت سی جعلی سازیاں ہوئیں جن کے باعث غلط نظریات بھی اس کے سر تھوپ دیئے گئے۔ بہرحال قدیم یونان میں عورفلیس نے لاکھوں آدمیوں کو متاثر کیا۔ علماء مانتے ہیں کہ وہ یونان کا کوئی قدیم بادشاہ، ہیرو یا ریفارمر تھا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرون اول کے عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو عورفلیس سے مماثلت کیوں دیتے تھے اس کی وجوہات درج ذیل ہیں :-

● عورفلیس یونان کا ریفارمر تھا۔ حضرت مسیحؑ کنعان کے پیغمبر تھے۔

● یونانی اساطیر میں ہے کہ عورفلیس ایک مشہور دیوتا اپولو کا بیٹا ہے۔ تخمہ سرمدی کا دیوی اس کی ماں ہے گویا وہ قدرت مجردہ سے پیدا ہوا۔ حضرت مسیحؑ بھی نفخ جبرائیل سے پیدا ہوئے تھے اور ایک صدیقہ ایک دوشیزہ ان کی ماں تھی۔

● عورفلیس اپنی مرحومہ بیوی کی تلاش میں پاتال میں اتر گیا۔ حضرت مسیحؑ اپنی امت کی تلاش میں — "اقطار الارض" میں اتر گئے۔ یہ الفاظ دوسری صدی کے عیسائی عالم "ارینیس" کہے ہیں۔ قرن اول کی عیسائی نظموں میں بھی یہ مضمون بیان ہوا ہے۔

● عورفلیس اپنے نغموں کا جادو جگا کر انسانوں اور حیوانوں کو رام کر لیتا تھا۔ حضرت مسیحؑ اپنے انفاس قدسیہ سے قریب المرگ بیماروں اور روحانی مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

● عورفلیس سے دوسرے دیوتا کے پجاری ناخوش ہو گئے۔ مشہور ہو گیا کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے۔ یہود اور اہل یروشلم اپنے خبث باطن میں ضرب المثل ہو گئے انھوں نے بھی حضرت مسیحؑ کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ ان کے بارے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

● عورفلیس کی موت کے بارہ میں لوگ شک و شبہ میں مبتلا ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں ہے :-

"The motive and manner of his death vary in different accounts."

حضرت مسیحؑ کے انجام کے بارے میں شک و شبہ موجود ہے۔

● اپنی قوم کو چھوڑ کر عورفلیس کہیں چلا گیا۔ یہی

حضرت مسیحؑ نے کیا۔

● عورفیتی کے شاگرد سیاح رسول کہلاتے جواری بھی سیاح رسول تھے۔

● زندگی دو راہوں پر مشتمل ہے۔ ایک اچھی راہ ہے ایک بُری ـــ یہ تعلیم قرنِ اول کی عیسائیت کی خصوصیت ہے۔ جوکہ عورفیتی اور عیسائیوں میں قدرِ مشترک ہے

ان مشابہتوں سے یہ امر ظاہر ہے کہ قرنِ اوّل کے عیسائی حضرت مسیحؑ کی مماثلت عورفیتی سے دیتے تھے اور اس کی وجوہات کیا تھیں؟

وہ اس مماثلت کے بیان کرنے میں حق بجانب تھے۔

۹۵

○

قطب جنوبی کرۂ ارض کے انتہائی جنوب میں واقع دنیا کا سرد ترین خطہ ہے جہاں نامعلوم زمانے سے برف باری ہو رہی ہے اور برف کی اتنی موٹی تہہ جم چکی ہے کہ اس کی موٹائی ۶۹۰۰ فٹ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر یہ ساری برف یک وقت پگھل جائے تو ساری دنیا کے سمندروں کی سطح ۲۵۰ فٹ بلند ہو جائے گی۔ اگر آپ دنیا کے نقشے پر نظر ڈالیں تو امریکہ، افریقہ اور آسٹریلیا کے انتہائی جنوب میں یخ بستہ سفید براعظم واقع ہے۔ نزدیک ترین علاقہ جہاں سے سفید براعظم یا قطب جنوبی تک پہنچا جا سکتا ہے ۶۰۰ میل کے فاصلے پر ارجنٹائن کی بندرگاہ Tierra-del-Fuego سے شروع ہوتا ہے۔ بحر اوقیانوس، بحر ہند اور بحر الکاہل جیسے سمندر اسے تین اطراف سے ملتے ہیں اور یہ سمندر اپنے ان کناروں پہ انتہائی طوفانی، مواج اور غضبناک ہیں۔ جنوبی جانب جہاں یہ تینوں سمندر ملتے ہیں۔ بحری جانور (Seal) سیل اور وہیل مچھلی دنیا میں سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں

یہ براعظم ایک دائرے کی شکل میں ہے اور دنیا کے تمام براعظموں سے زیادہ بلند یعنی (6.5 KM) ہے۔ اس کے گرد بڑے بڑے برفانی تودے اور برف کی لمبی لمبی منجمد سلاخیں بڑے بڑے گلیشیرز (Glaciers) ہیں۔ اس براعظم میں انتہائی سرد اور یخ بستہ وادیاں اور برفانی صحرا واقع ہیں جن کا حدود اربعہ ۳۰۴۰۰ مربع میل ہے۔ زیر زمین علاقوں کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ یہ براعظم بعض مقامات پر سطح سمندر سے

نیچے تک ہوگیا ہے۔ اس براعظم کو Antarctica انٹارکٹکا یا منطقہ باردہ جنوبی کہا جاتا ہے۔ اس کا قطر ۲۸۰۰ میل ہے۔ ۹۵ فیصد چٹانی علاقہ برف سے دبا ہوا ہے۔ اس لئے معدنی تحقیق تشنۂ تکمیل ہے تاہم ۱۹۶۹ء کی ارضی تحقیقات کئے گئے ہیں۔ ابتدائی دور کے سانپ، مگرمچھ اور دیگر حیوانوں کے ڈھانچے ملے ہیں۔ کچھ ایسے آثار بھی پائے گئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کبھی آتش فشانی مادے بھی نکلتے رہے ہیں۔

اس براعظم میں زندگی کے آثار قریباً معدوم ہیں جہاں کچھ تازہ پانی دستیاب ہوا ہے وہاں خوردبینی حشرات ملتے ہیں۔ اس سرد خطہ کے انتہائی مختصر موسم گرما میں ہزاروں لاکھوں سمندری پرندے Penguine وغیرہ یہاں آکر بسیرا کرتے ہیں۔

یہاں پہلے پہل انیسویں صدی کے وسط میں انسان نے قدم رکھا۔ اس سلسلہ میں دو مہم جو قابل ذکر ہیں:-

(۱) ارنسٹ شیکلیٹن Ernist Shakleton

(۲) Roland Amundsen رولینڈ امنڈسن

آخرالذکر ۱۴ دسمبر ۱۹۱۱ء میں اس مقام پر پہنچا۔ جغرافیائی اصطلاح میں یہ قطب جنوبی کہلاتا ہے۔ رولینڈ کو یہ تاریخ ساز کامیابی رابرٹ کے قطب شمالی سر کرنے کے ۳۱ ماہ بعد حاصل ہوئی۔

گزشتہ جنگ عظیم کے بعد فوٹوگرافی، ریڈیو، اور ریڈار نے یہ کام آسان کردیا۔ امریکہ کا برف شکن جہاز Higher Jump پہلا جہاز تھا جو ۱۹۴۷ء میں یہاں پہنچا۔ ابتدائی مہم جو سیل اور وہیل کے شکاری تھے جو ذاتی اخراجات اور وسائل پر یہاں آتے تھے اور ان کا مقصد محض مہم جوئی اور شکار ہوتا تھا مگر جنگ کے بعد چونکہ تربیت یافتہ اور تجربہ کار لوگ اور متعلقہ ساز و سامان سرکاری اخراجات پر مل سکتے تھے چنانچہ مختلف ممالک نے باقاعدہ تحقیق کا بیڑا اٹھایا اور چنانچہ وہاں باقاعدہ تجربہ گاہیں زیر زمین دوز اور برف دوز سٹیشن بن گئے۔ ۱۹۵۵ء میں یہاں عام آمد و رفت ہونے لگی۔ اب قطب جنوبی کی تجربہ گاہوں میں ۲۵۰۰ افراد مستقل طور پر کام کرتے ہیں۔ اگرچہ بین الاقوامی تعاون اور تحقیق کے لئے تمام ملک یہاں کام کرسکتے ہیں تاہم سات ممالک اس براعظم کے مختلف حصوں پر اپنا دعویٰ اقتدار قائم کئے ہوئے ہیں۔ انگلستان، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، ناروے اور فرانس اس کے اکثر حصوں پر قابض ہیں مگر مغربی جانب کا مرکزی حصہ امریکہ کے زیر اثر ہے۔ بین الاقوامی جغرافیائی سال (International Geophysical year) کے تحت اس خطہ کے مکمل حالات دریافت کرلئے گئے ہیں اور دیگر براعظموں کی طرح اب یہاں کے حالات پر مبنی نہایت شاندار تحقیقی کتب شائع ہوچکی ہیں۔ جن سے دنیا کے اس خطۂ زمہریر کے متعلق دلچسپ اور حیرت انگیز معلومات حاصل ہوتی ہیں اور انسان یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ واقعی قرآن کریم نے کیا ہی سچی بات بیان فرمائی کہ یقیناً آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور شب و روز کے آنے جانے میں عقلمندوں کے لئے ان گنت نشانات ہیں (البقرہ) اور بے عیب خالق حقیقی کی ہستی کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ ●●

سائنس کی دنیا

جناب عبدالسمیع کھوکھر صاحب

ابتدائے آفرینش سے انسان اپنی پسندیدہ چیزوں کا عکس اور نقشہ محفوظ کرتا چلا آیا ہے۔ قدیم زمانے میں انسان پتھر پر مختلف قسم کے نقش و نگار، یا اسلاف کی یادیں محفوظ رکھنے کے لئے ان کے مجسمے بنایا کرتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں یہ فن اپنے عروج پر تھا آذر بت تراشتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فروخت کرنے کے لئے دیتے۔ فراعنۂ مصر کے زمانہ میں چمڑے پر نقوش محفوظ کرنے کا رواج ہوا۔ جب پیراس قسم کا کاغذ ایجاد ہوا تو قلم اور سیاہی کے ساتھ مختلف قسم کی منزلوں اور دیگر پسندیدہ اشیاء کے نقوش بنائے جانے لگے۔ ہندوستان، ایران، شام، مصر، اندلس اور چند ایک اور قدیم تعلیمی مراکز مثلاً چین اور وسطی ایشیا کے کتب خانوں میں پرانے زمانے کی قلمی تصاویر اب تک محفوظ ہیں۔

نیل کے کنارے ایک پودا پیراس نامی اگتا تھا جس سے ابتدائی قسم کا کاغذ بنایا جاتا تھا۔

پندرھویں صدی عیسوی میں محدب عدسہ ایجاد ہوا۔ گلیلیو نے سیاروں اور ستاروں کے مطالعہ کے لئے عدسہ استعمال کیا۔ مگر کچھ اور سائنس دانوں نے ایک چوکور ڈبے کے آگے ایک گول ٹیوب میں عدسہ فٹ کر کے پچھلے حصے میں عام شیشے کی پلیٹ لگا کر دیکھا تو اس میں سامنے کے مکانات اور درختوں کا عکس نظر آیا۔ چنانچہ سولھویں صدی میں انگلستان۔ فرانس اور جرمنی میں یہ [illegible] کیمرہ اوبسکیورا کی مدد سے کافی مقبول ہو [illegible] اس میں [illegible] چیز کا عکس الٹا نظر آتا تھا۔ پھر جب باریک قسم کا کاغذ ایجاد ہوا تو لوگ اسے بطور ٹریسنگ پیپر کے استعمال کرنے لگے۔ کاغذ کو کیمرہ اوبسکیورا کے عقبی شیشے پر رکھ کر ہاتھ سے منظر کشی کرتے۔ اگر کوئی تصویر اتروانا چاہتا تو اس غریب کو کوئی نصف گھنٹہ کے قریب [illegible] کیمرہ کے سامنے بیٹھا رہنا پڑتا اور آرٹسٹ کاغذ کے اوپر منعکسہ نقش پنسل کے ساتھ نمایاں کر دیا جاتا اس قسم کی ایک تصویر کا [illegible] پانچ پونڈ تک لگ [illegible] ہوتا۔ اس [illegible] امراء ہی تصویر بنوایا کرتے

جبکہ غریب لوگ وہ تصاویر دیکھ خوش ہوتے رہے۔ اکثر فرانسیسی لوگ جدت پسند واقع ہوئے تھے

علاوہ ازیں اس محنت طلب عمل سے وہ جلد اکتاہٹ محسوس کرنے لگے۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں کچھ فرانسیسی کیمیاگروں نے دریافت کیا کہ نیلا تھوتھا کو چند اور کیمیائی مرکبات سے ملا کر ایک ایسا مرکب تیار کیا جا سکتا جس پر تصویریں بن سکتی ہے لیکن یہ طریق بھی زیادہ مقبول نہ ہو سکا کیونکہ جلد ہی عکس مدھم (Fade) پڑ کر مٹ جاتا۔ اسی دوران فرانسیسی کیمیاگروں نے تجربات کرکے انیسویں صدی کے ربع اول میں معلوم کیا کہ چاندی کے مرکب سلور نائیٹریٹ اور پوٹاشی برومائیڈ کو آپس میں ملانے سے ایک تیسرا مرکب سلور برومائیڈ تیار ہوتا ہے جو روشنی میں اپنا رنگ تبدیل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ سفید سے ہلکا کریم، پیلا اور پھر گہرا سیاہ ہو جاتا ہے۔ اب سائنسدانوں نے اس کیمیاوی تبدیلی کی مزید تحقیق و تفتیش کی اور بالآخر نگیٹو بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

۱۸۳۷ء میں یہ تجربات ہوتے رہے۔ جو نتیجہ خیز ثابت ہوئے۔ آج سے دو سو سال قبل تصاویر مستقل طور پر محفوظ کرنے کیلئے سونے اور پلاٹینم کے کلورائیڈ کا پانی چڑھایا جاتا۔ چونکہ پلاٹینم بہت مہنگی دھات ہے اس لئے سستا اور آسان عمل ایجاد کرنے کی جستجو بدستور جاری رہی۔

انیسویں صدی کے وسط میں سائنسدانوں نے سوڈیم تھائیو سلفیٹ (یعنی ہائپو) کے خواص معلوم کرلئے کہ اس کے محلول میں ڈبونے سے عکس مستقل طور ثابت ہو جاتا ہے

ابتدا میں یہ فوٹوگرافی بھی ایک محنت طلب امر تھا پہلے سلور برومائیڈ کا خاص مرکب تیار کرنا پڑتا۔ اس کا شیشے یا شیشے کی پلیٹ پر برش کی مدد سے منتقل کیا جاتا۔ یہ عمل اندھیرے میں کیا جاتا۔ فلم گیلی ہی ہوتی تو اسے کیمرے میں رکھ کر سینری یا انسانوں کی تصویریں بنائی جاتیں اور بعد میں اس (۱۴" × ۱۱" سائز کی) پلیٹ کو مختلف کیمیائی محلولوں میں دھویا جاتا اور تصویر تیار ہو جاتی۔ مہاتما گیسی اور ڈیگورا کے بنے ہوئے ایسے پرنٹ پیرس میں محفوظ ہیں۔

انیسویں صدی کے آخر میں بہت سے نئے کیمیکلز ایجاد ہو چکے تھے۔ مثلاً میٹول (Metol) ڈائی ہائیڈرا کسی بنزین (Hydroquinone) ٹرائی ہائیڈرا کسی بنزین (پائرو گیلول (Pyrogallol) اور پائرو کیمیں وغیرہ [illegible] آج بھی بطور فلم ڈیولپر وسیع پیمانے پر استعمال ہوتے ہیں۔

خوب سے خوب تر کی تلاش میں جو شخص پیش پیش تھا اس کا نام کوڈک ایسٹ مین تھا۔ جس کے نام کی فلمیں اور کیمرے آج دنیا بھر میں فروخت ہوتے ہیں۔ تصویر کشی کا یہ مشغلہ عجیب اور بے دستور نرالا تھا۔ جس میں کیمیا گری کی پوری دکان بھاری بھرکم کیمرے اور سامان ساتھ اٹھاتے پڑتے تھے۔ اس لئے اس نے فوٹوگرافی کے آسان ترین عمل کی تلاش جاری رکھی۔ بالآخر انہی ابتدائی کوششوں کے نتیجہ میں دنیا جدید فوٹوگرافی سے روشناس ہوئی۔

غزل

جنابِ فیض چنگوی کراچی

خیابانِ چمن کے نُقرئی تھالوں میں ملتی ہے
صداقت بُلبُلِ ناشاد کے نالوں میں ملتی ہے

بڑی جنسِ گراں ہے آدمیّت آج دُنیا میں
مگر یہ شے خُدا کے ماننے والوں میں ملتی ہے

جوانی اور پیری پر نہیں ہے انحصار اس کا
یقیں کی دولتِ بیدار متوالوں میں ملتی ہے

نہیں مخصوص ذاتوں سے نہ نسلوں سے نہ رنگوں سے
محبّت جس کو کہتے ہیں وُہ دل والوں میں ملتی ہے

سکوں کی دولتِ عظمیٰ ہے وصلِ یار سے حاصل
یہ سیم وزر کے انباروں نہ زر والوں میں ملتی ہے

ستاروں میں نہ سورج میں نہ برق و کہکشاں میں یہ
تبسّم کی ضیا توحید کے متوالوں میں ملتی ہے

خوشی کی جستجو بے سُود ہے خوشحال لوگوں میں
خوشی کی روشنی بھی صرف غم والوں میں ملتی ہے

وُہ کوئی شے تو ہے آخر اُسے کچھ نام دے ڈالو!
جو زلفِ یار کے بکھرے ہوئے بالوں میں ملتی ہے

وُہ کوئی آبلہ پا ہی بتا سکتا ہے کیفیّت،
جو راحت فیض اس کو پھوٹتے چھالوں میں ملتی ہے

کہسار سے آنکھ مچولی ——— قسط ۳

"رہا ہوں معتکفِ کوہ و دشت و ویرانہ"

جناب ل۔ خ ملک۔ ہری پور ہزارہ

گُم کردہ راہ مسافر

گلی سے دوسری طرف تین راستے اترتے تھے۔

پہلی دفعہ چوہدری صاحب کے ساتھ ہم بائیں طرف سے اترے تھے اور ایک ایسی جگہ جا کر پھنس گئے تھے جہاں دونوں طرف گہرے نالے تھے اور سامنے عمودی ڈھلوان۔ پیچھے مڑ کر جبہ گلی واپس جانا۔ کارے دارد۔ ہم سب تو کیا چوہدری صاحب بھی گھبرا گئے مگر آخر انہوں نے ایک تجویز سوچ نکالی۔ فرمایا۔ نعرہ زور سے آوازیں دو — !

"بھائی جی اسیں حاجی صاحب دے مہمان آں!"

حاجی صاحب کے کسی عقیدتمند نے سنا اور آ کر ہمیں اس خطرناک جگہ سے نکال کر کاغان کے راستے پر ڈالا۔

اس دفعہ ہم نے درمیانی راہ سے اترنا تھا۔ اپنے سفر کا پہلا مرحلہ ہم اندازے سے جلدی طے کر چکے تھے اس لیئے بہت خوش تھے۔ دوڑتے ہوئے اترنے لگے پتہ اس وقت چلا جب راستہ غائب ہو چکا تھا۔ گھبرا کر

اِدھر اُدھر دیکھا مگر راستہ ندارد! اب دو ہی صورتیں تھیں ایک تو واپس جبہ گلی پہنچیں یا بغیر راستے کے نیچے اترنا شروع کر دیں۔ نیچے کسی نہ کسی جگہ راستہ مل جائے گا۔ واپسی چڑھائی بڑی پہاڑ دکھائی دیتی تھی۔ اس لیئے توکل بر خدا سامنے اترنا شروع کر دیا۔ نقشہ کے مطابق جس نوکیلی ڈھلوان (Ridge) پر ہم اتر رہے تھے وہ نیچے جا کر نالے میں ختم ہوتی تھی اگر ہم نالے تک پہنچ جاتے تو آگے راستہ آسانی سے مل سکتا تھا۔ جوں جوں ہم اترتے گئے، راستہ دشوار سے دشوار تر ہوتا گیا اور نوبت یہ ایں جا رسید کہ ہم چلنے کی بجائے گھسٹنے لگے۔ اسی اثناء میں بادل گھر آئے اور بارش شروع ہو گئی۔ مجبوراً رکنا پڑا۔ کیونکہ اس تیز ڈھلوان پر بارش میں اترنا ممکن نہ تھا۔ ایک درخت کے نیچے پناہ لی۔ اب سوائے اپنی حماقت کی تلافی کے لیئے استغفار کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ وقت سرعت سے گزر رہا تھا۔ سعی و مشقت سے کہا ہے

ہمارے قیمتی وقت میں سے گزرنے والا ایک ایک لمحہ ذہن پر ملامت کے تھپیڑے رسید کر رہا تھا۔ اچانک یاد آیا کہ ہم نے ابھی تک لنچ (LUNCH) نہیں کیا۔ چنانچہ وہ لنچ جو ہم نالے کے کنارے کرنا چاہتے تھے اب کرنا پڑا۔ اس گمبھیر سی بے وقت کے اس مصرف کے خیال سے بے اختیار ہمارے چہرے تمتما اٹھے۔ گرم چائے کے مگ میں سے اٹھتے ہوئے بھاپ کے مرغولوں کو دیکھ کر میرا ذہن سگریٹ کے کش سے بننے والے دھوئیں کے پھیلتے ہوئے دائروں کی طرف چلا گیا۔ شکر ہے ہم میں سے کوئی تمباکو نوشی کا مریض نہیں تھا ورنہ ابھی تک یہ پاکیزہ، لطیف اور دھلی ہوئی فضا کتنی ہی بار سگریٹ کے دھوئیں سے آلودہ ہو چکی ہوتی۔

راستہ یا اُسترے کی دھار

بارش رکی۔ تو ہم "لنچ کانفرنس" میں اس نکتہ پر بحث کر رہے تھے کہ آج کے سفر کا پہلا قائم کردہ ریکارڈ ٹوٹتا ہے یا بچتا ہے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ اب اس سے کوئی غرض نہیں البتہ قیمتی جانوں کی حفاظت نہایت ضروری ہے اس لئے ہر چہ بادا باد کہہ کر ہمیں اسی "اُسترے" پر واپس اوپر چڑھنا چاہیئے اور چوٹی کے قریب پہنچ کر وہاں سے اصل راستہ تلاش کیا جائے۔ اسی نوکیلی ڈھلوان ([illegible]) کو ارشاد صاحب نے "اُسترے" کا نام دے دیا تھا جو بہت [illegible] تھا۔ غالباً انہوں نے یہ نام پل صراط کی تشریح (بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز) سے مستعار لیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ راستہ اُسترے کی دھار کی طرح ہی تھا۔ خطرناک اور تنگ۔

"اُسترے" پر واپس ایک ڈیڑھ ہزار فٹ دوبارہ چڑھنا کسی طرح بھی ایک سخت سزا سے کم نہ تھا۔ بلکہ ایک طرح سے یہ اگلے ہوئے کو چاٹنا تھا جو ناچار ہمیں کرنا پڑا۔ اس سیدھی چڑھائی سے جس قدر تھکاوٹ ہوئی وہ سارے دن کے سفر سے نہ ہوئی تھی۔ لٹکے ہوئے چہرے اور جھکی ہوئی گردنوں سے ہم کچھ رینگ کر کچھ جھپٹ کر "اُسترے" پر دوبارہ چڑھے۔ راستہ دوبارہ ملنے تک ہم تھک کر نڈھال ہو چکے تھے اور ایسی کسی بھی مزید سزا کے متحمل نہ ہو سکتے تھے اس لئے خلوصِ نیت سے اهدنا الصراط المستقیم کا ورد کیا اور اس اعلیٰ پایہ کی دعا کے یہ معانی خاص طور پر ذہن میں مستحضر رکھے کہ ہمیں سیدھی راہ پر چلاتا چلا جا۔

بہرحال آئندہ واضح راستہ نہ چھوڑنے اور شارٹ کٹ لگانے کے لالچ سے بچنے کا عہد کر کے ایک دفعہ پھر "آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ"[1] کا ورد کرتے نیچے اترنے والے راستے پر دوڑنے لگے۔ ڈھلوان ختم ہونے سے پہلے ایک دفعہ پھر بارش نے آلیا مگر جلد ہی رک گئی۔ اور ہم پھر چل پڑے۔ بیل نالے پر پہنچے تو لکڑی کے پل پر خشوع و خضوع سے سجدۂ شکر بجا لائے اور

---

[1] ہم اپنے رب کے حضور رجوع کرنے والے، توبہ کرنے والے، اس کی عبادت کرنے والے اور اس کی تعریف کرنے والے ہیں۔

باقی سفر کے بخیریت مکمل ہونے کی دعا کی۔ اگلا سفر نسبتاً آسان تھا۔ راستہ نالے کے کنارے تقریباً ایک ہی سطح پر جا رہا تھا۔ جب بٹی نالہ دریائے کنہار میں جا گرا تو ہم نے کنہار کا دامن پکڑ لیا۔

بٹی نالے کے کنارے راستے میں ہمیں ایک جگہ چیری (Cherry) کا درخت نظر آیا۔ ہمارے ہاتھ لٹکتے ہوئے گہرے گلابی موتیوں کی طرف بڑھنے لگے تو اوپر سے چند دانے گرے۔ غور سے دیکھا تو ایک صاحب درخت میں چھپے ہوئے چیریاں توڑ رہے تھے۔ انھوں نے ہمارے لئے پکے ہوئے خوشوں والی دو ٹہنیاں توڑ دیں بہت مزیدار چیریاں تھیں۔ ہمیں مرزا صاحب یاد آ گئے جو کاغان میں ہمارے منتظر تھے۔ ہم نے باقی چیریاں ان کے لئے رکھ لیں۔

اسی جگہ گزشتہ سفر کے دوران سامنے کے جنگل کے آر پار قوسِ قزح کا جو خوبصورت نظارہ دیکھا تھا۔ وہ دوبارہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

راستے میں مقامی لوگ یہ معلوم کر کے کہ ہم صبح شنگراں سے چلے ہیں اور رات کاغان پہنچ کر رکنے کا ارادہ ہے سخت حیران ہوتے۔ ہمیں ان کی حیرت دیکھ کر بہت لطف آتا۔ ہماری بہت سی تھکان تو ان کی حیرت نے اتار دی تھی۔

آج ظہر و عصر کی نمازیں جو پہلے بارش اور بعد میں مناسب جگہ نہ ملنے کے باعث اب کنہار کے کنارے تاخیر سے پڑھیں۔ یہ جگہ بھی ہموار نہیں تھی اور سجدے میں بھی ہم پہاڑ پر چڑھتے معلوم دیتے تھے۔ "استرا"

ایک دفعہ پھر خوب یاد آیا۔

کاغان

اب ہمیں کاغان (۶۰۰۰ فٹ) نظر آنے لگا نواحی پہاڑوں کے دامن میں بہت سے بکھرے ہوئے مکانات پر مشتمل اس قصبے کے ہر گھر سے اٹھتا ہوا دھواں کیا بھلا معلوم ہوتا تھا جب ایک ڈیڑھ میل باقی رہ گیا تو میں نے ارشاد صاحب پر جو کاغان کو نزدیک آتا دیکھ کر بڑھ بڑھ کر آگے نکل رہے تھے چوہدری صاحب والا فارمولا آزمانا چاہا اور انہیں ہراول دستہ کے طور پر بھاگ کر کاغان پہنچنے اور ہماری آمد کا اعلان کرنے کے لئے اجازت دے دی۔ کچھ دیر بعد ارشاد صاحب لکڑی کا پل عبور کرتے نظر آئے جس کے دوسری طرف کاغان تھا۔

ہمارا خیال تھا کہ مرزا صاحب پل پر ہمارے منتظر ہوں گے مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! مرزا صاحب کی بجائے ہمارا استقبال پل کے پار مقامی پولیس کے ایک سب انسپکٹر صاحب نے کیا۔ چنانچہ پل کے وسط میں کھڑے ہو کر دعائے شکرانہ کے علاوہ اس نئی غیر متوقع صورت حال کی اصلاح کے لئے بھی دعا کی۔ راستے پر آنے والے ہر پل کے وسط میں دعا کرنا اب ہمارا دستور بن چکا تھا۔

ارشاد صاحب اور رشید صاحب کو تو مرزا صاحب کی تلاش میں بھیجا اور خود پولیس کے استقبال اور مہمان نوازی سے متمتع ہونے کے لئے ٹھہر گیا۔ شکر ہے وہ بہت اچھی

طرح پیش آئے ۔ سفر کے غنفر کو الف تا ئے تو وہ اور نرم ہو گئے اور چائے منگوالی ۔ انہیں جو غلط فہمی ہوئی تھی وہ اصل حقائق معلوم ہونے پر رفع ہو گئی ۔ الحمد للہ ۔ " رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت " ورنہ " پہاڑ سے گرا کھائی میں اٹکا " والی بات ہو چلی تھی ۔

مردانِ سخن آگاہ!

ہمیں بلندی سے کاغان میں لگا ہوا کوئی خیمہ نظر نہیں آیا تھا اس لئے تشویش تھی کہ ہمارا خیمہ وہ کیا ہوا ؟ بعد میں علم ہوا کہ مرزا صاحب تو کاغان پہنچتے ہی خیمہ نصب کرنا چاہتے تھے مگر کوئی مناسب جگہ نہیں ملتی تھی اور جو جگہ کہیں ملتی تھی تو مالکان آڑے آتے تھے اور عذر کرتے تھے کہ زمین خراب ہوتی ہے ۔ ناچار مرزا صاحب نے مقامی سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب سے ملاقات کی ۔ انہوں نے بھی پہلے تو معذرت ہی کی اور اپنی مجبوریاں لے بیٹھے ۔ مرزا صاحب کو یاد آیا کہ ؎

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد

عیب و ہنر نہفتہ باشد

چنانچہ انہوں نے بتایا کہ وہ کیڈٹ پبلک سکول ایبٹ آباد میں ٹیچر ہیں ۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کچھ نرم پڑے کیوں نہ ہوتا آخر اپنے ہم پیشہ بھائی کا معاملہ تھا ۔ جلد ہی مرزا صاحب نے اپنی شخصیت پر سے ایک اور پردہ سرکاتے ہوئے بتایا کہ وہ ایم اے (فائن آرٹس) ہیں ۔ ہیڈ ماسٹر صاحب تو لرز گئے اور کرسی سے اٹھ کر وہ مرزا صاحب کو پیش کر دی ۔ مرزا صاحب نے کہا کہ یہ کرسی آپ کو مبارک ہو ۔ فی الحال ہمیں ایک کمرے کی ضرورت ہے ۔ فوراً ایک کمرہ صاف کرایا گیا ۔ خیمہ اور اس کے لوازمات بندھے بندھائے طالب علم اندر اٹھا لائے اسی اثناء میں مرزا صاحب نے کھڑے کھڑے ڈرائنگ ٹیچر صاحب کا پورٹریٹ مکمل کر کے دے دیا ۔ پھر کیا تھا کوئی پورٹریٹ کے لئے کہہ رہا تھا تو کوئی سائن بورڈ لکھوانے کے لئے ۔ مرزا صاحب نے قلم برداشتہ تمام فرمائشیں پوری کرنی شروع کر دیں ۔ ڈرائنگ ماسٹر صاحب تو مرزا صاحب پر ایسے ریجھے کہ اپنے بھائی کی جیپ میں انہیں کاغان کے ارد گرد کی سیر کرانے کے لئے لے نکلے ...... سو اگر مرزا صاحب ہمارے استقبال کیلئے پل پر نہیں پہنچے تو " کچھ باعث تاخیر بھی تھا "

ہمارے لئے ان تفاصیل میں جانا فی الحال ممکن نہیں

تھا ہم تو پہنچتے ہی بستروں پر گر جانے اور اگلی صبح تک
کروٹ بھی نہ بدلنے کا ارادہ کرکے پہنچے تھے۔ مرزا صاحب
نے اب چولہے اور اس کی بتیوں کی مستیوں کا رونا جو
رویا تو بے اختیار جی چاہا کہ اس ناکام اور ہٹ دھرم
چولہے کو اٹھا کر کہیں باہر پھینک دیں۔ مرزا صاحب
نے روک دیا کہ صبح اطمینان سے پھینک دیں گے۔ اب
ہم چاہتے تھے کہ سو جائیں مگر صاحب مُصر تھے کھانا کھا کر
سوئیں۔ خیر ہم نمازوں سے فارغ ہوئے تو اُن کے
بیٹے شاگرد قریبی تندور سے روٹیاں لگوا کر لا چکے تھے
اب جو سالن پلیٹوں میں ڈالنا چاہا تو معلوم ہوا کہ
گلوں اور گلاسوں میں ڈالنا بہتر ہوگا۔ مرزا صاحب
نے وضاحت فرمائی کہ تھکاوٹ میں آلوؤں کا سُوپ
بہت مفید ہے۔ چنانچہ ہم نے روٹیاں بسکٹوں کی طرح
کھائیں اور سالن چائے کی طرح پیا۔ مرزا صاحب چائے
کا پوچھنے والے تھے کہ ہمارے خراٹوں کی آواز سن کر
الحمدللہ کہا اور خود بھی دراز ہو گئے۔

اگلی صبح بشیر صاحب نے ہمیں کھینچ کھینچ کر نماز
فجر کے لئے جگایا۔ ہم حیران تھے کہ آج نماز فجر کیلئے
یہ مستعدی! راز یہ کھلا کہ جو ہم پہ کل رات گزری تھی
وہ ان پہ آج رات گزری ہے ان کے پاس کافی بستر
نہیں تھا اور وہ ساری رات صبح کے جلدی طلوع ہونے
کی دعا کرتے رہے۔

سوئے فاران

ناشتے کے لئے جب پراٹھے پکنے لگے تو چولہے
کی شامت ایک دفعہ پھر آئی۔ مرزا صاحب نے بتایا کہ کس طرح
کل سہ پہر انھوں نے اسے مکمل طور پر اوور ہال کیا ہے مگر
کم بخت پھر بھی سیدھا چلنے میں نہیں آتا۔ ناشتے کے بعد
ہائیکنگ ٹیم پیدل سڑک کے راستے فاران (۹۰۰۰ فٹ)
کے لئے روانہ ہوئی۔ مرزا صاحب اور بشیر صاحب نے پروگرام
کے مطابق جیپ کے ذریعہ فاران پہنچ کر خیمہ لگانا تھا۔
رات اکٹھے گزارنے کا ارادہ تھا۔

شروع میں ہماری ٹانگوں نے تھوڑی سی آئیں
بائیں شائیں کی مگر دو میل کے بعد سیدھی ہو گئیں اور فاران
تک چودہ میل کا یہ سفر آسانی سے طے ہوا۔ سڑک پکی
اور معمولی چڑھائی۔ میلوں کے نشانات کی مدد سے ہم نے
نسبتاً تیز چل کر چار میل فی گھنٹہ رفتار رکھنے کی کوشش
کی جو مسلسل سفر کے لئے بہت اچھی رفتار ہے۔

راستے میں گوجروں کے قافلے دیکھے جو اپنے
مویشی اور بھیڑ بکریاں اُوپر لے جا رہے تھے۔ ایک جگہ
ڈیرہ ڈال کر وہ دوپہر کا کھانا پکا رہے تھے۔ مکئی کی گرم
گرم تازہ روٹیاں پکتے دیکھ کر ہم رہ نہ سکے۔ شرماتے
شرماتے ایک صاحب سے پراٹھے کے بدلے مکئی کی روٹی
لینے کی درخواست کی۔ اس نے کہا آپ مکئی کی روٹی لے
لیں۔ تبادلے کی ضرورت نہیں۔ ہم بہت ممنون ہوئے
ہم نے بھی ان کے قریب ہی پتھروں کے چولہے پر کھانا
گرم کرکے کھایا۔ اسی اثناء میں مرزا صاحب اینڈ کمپنی
جیپ میں سوار خراٹے بھرتے ہوئے ہمارے اوپر گرد و غبار
پھینکتے گزر گئے۔

فاران کے قریب پہنچے تو ایک موڑ پر "بوتو ہوٹل"

کا بورڈ نظر آیا۔ رشید صاحب کو تفتیش کے لئے بھیجا۔ خیال تھا کہ اگر خالی ہو تو یہاں ٹھہر جائیں اور بشیر صاحب اپنی زندگی کی ایک اور رات آرام سے گزار لیں۔ رشید صاحب خبر لائے کہ بالاکوٹ والی طالبات آج صبح یہاں آ دھمکی ہیں اور کل بھی ان کا ارادہ یہیں ٹھہرنے کا ہے۔ نہ جانے کس نے انہیں ہمارا پروگرام بتا دیا تھا۔

اب مرزا صاحب کی تلاش میں نکلے مگر کہیں ان کا خیمہ نظر نہ آیا۔ خیال گزرا حسب سابق سکول میں جا پہنچے ہوں گے۔ مگر وہاں بھی ان کا سراغ نہ ملا۔ انہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے سارا ناران چھان مارا مگر وہ کہیں نظر نہ آئے۔ تب ہم سمجھے کہ جھیل سیف الملوک کی کشش نے انہیں کل کی بجائے آج ہی وہاں پہنچنے پر مجبور کر دیا ہو گا۔

اب ہمارے لئے یہ مشکل تھی کہ یوتھ ہوسٹل میں ہمارا داخلہ بند تھا۔ مرزا صاحب ہمیں چھوڑ کر مزید بلندیوں کی تلاش میں سیف الملوک جا پہنچے تھے۔ ہوٹل موجود تھے مگر ان میں سے جو صاف ستھرے ان میں ٹھہرنا ہماری جیب کے لئے خطرناک تھا اور دوسرے ہوٹل ہماری صحت کے لئے۔ ناچار پروگرام میں تبدیلی کر کے بادلِ ناخواستہ ناران جیسی خوبصورت جگہ بغیر رکے گزر جانے کا فیصلہ کیا اور مزید دس میل دور بٹہ کنڈی (۸,۹۰۰ فٹ) کے لئے روانہ ہو گئے۔

دریائے کنہار کی وادی

دریائے کنہار کی وادی میں ناران کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اپنے محل وقوع کے لحاظ سے بھی اور سیف الملوک جھیل کے قرب کے باعث بھی۔ وادی کنہار نے یہاں پہنچ کر اپنا سینہ کھول دیا ہے اور اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ سیاحوں کے استقبال کے لئے تیار ہو گئی ہے۔

دریائے کنہار اور سیف الملوک جھیل سے نکلنے والے نالے کا سنگم بے حد خوبصورت منظر بناتا ہے۔ یہ نالہ اوپر سے بڑی بڑی چٹانیں بہا لایا ہے اور اس کا پانی ان سے سر پھوڑ پھوڑ کر اسے زندہ دریا میں تبدیل کر کے اس منظر کو عجیب حسن بخشتا ہے۔ یہاں سے قریب ہی وہ پرانی غار ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہاں رومانی شہزادے سیف الملوک نے قیام کیا تھا۔ مقامی روایت کے مطابق یہ شہزادہ ایک پری کی تلاش میں یہاں پہنچا تھا۔
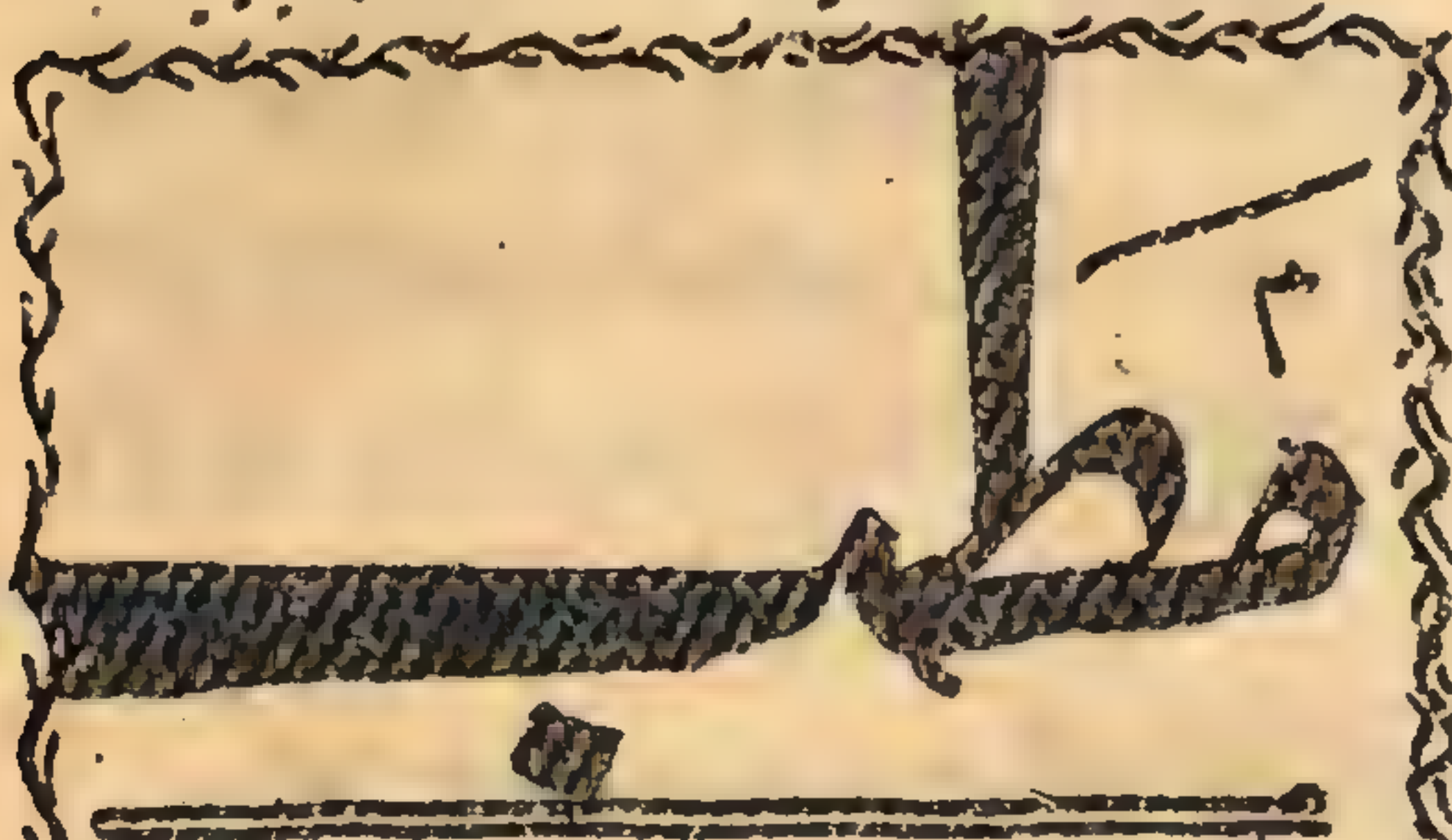
بالآخر جھیل پر اُن سے ملاقات ہوگئی تھی اور اسی کے نام پر جھیل کا نام سیف الملوک پڑ گیا تھا۔ واللہ اعلم!

ناران سے کچھ فاصلہ پہلے ہی دریائے کنہار نے شہزادے کی اس بستی کے احترام میں اپنی مستیاں چھوڑ دی ہیں گویا ناران کے خداداد حسن کو غور سے دیکھنے کے لئے پرسکون ہو گیا ہے۔ اس طرح اس نے ریت کے چند نہایت ہی خوب صورت جزیروں کو جنم دیا ہے قریب ہی اس نے اپنے دائیں کنارے پر چند نہایت ہی خوب صورت سرسبز و شاداب ڈھلوانیں تراشی ہیں۔

انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ عام مروجہ اصول کے مطابق دریائے کنہار کی وادی کا نام دریا ہی کے نام پر وادیٔ کنہار رکھا جاتا۔ جیسے وادیٔ سیرن، وادیٔ نیلم وادیٔ سوات وغیرہ اور اگر کسی مقام کے نام سے ہی وادی کو موسوم کرنا تھا تو ناران سے زیادہ اس اعزاز کا حق اور کسے تھا ـــــ ؟ مگر ع

"رموزِ مصلحت خویش خسرواں دانند"

بٹہ کنڈی کے راستے میں ہمیں ایک لڑکا ملا۔ جس نے بتایا کہ وہ دریا کے پار والے گاؤں میں رہتا ہے ہم نے پوچھا۔ سردیوں میں برف کتنی پڑتی ہے اس نے بتایا کہ اتنی برف پڑتی ہے کہ ہم اپنے مکانوں کے دروازے نہیں کھول سکتے۔ چھ ماہ کا راشن اور ایندھن سٹور کر کے رکھا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی کی وفات ہو جائے تو اس کی تدفین کے لئے بھی برف کے پگھلنے کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ایک دم خیال آیا کہ ایسے میں مرنا ٹھیک نہیں۔ شکر ہے کہ ہمارے ہاں ایسے انتظار کی ضرورت نہیں پڑتی۔

راستے میں کچھ غیر ملکی سیاح مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔ ایک آدمی ملا جس کے پاس دو تین مچھلیاں تھیں ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق اس وقت تک ہونے والی جسم کی ٹوٹ پھوٹ کی مرمت کے لئے دو تین مچھلیوں کی کم از کم ضرورت تھی۔ دل چاہا کہ اسی سے خرید لیں اور بٹہ کنڈی جا کر کھائیں مگر اس بھلے آدمی نے یہ کہہ کر ہماری درخواست مسترد کر دی کہ وہ خود کسی کی فرمائش پر مچھلی لے جا رہا ہے

بٹہ کنڈی یُوتھ ہوسٹل

میں نے محسوس کیا کہ یہ علاقہ وسطی کاغان جیسا سرسبز نہیں ہے۔ نواحی پہاڑیوں کی ڈھلوانیں یا تو بالکل خشک تھیں یا تھوڑے تھوڑے درخت تھے۔ بٹہ کنڈی سے اوپر تو سارے پہاڑ خشک نظر آتے تھے۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ سبزہ اور جنگلات ایک خاص بلندی سے اوپر نہیں اُگ سکتے اور وہ بلندی اب آ رہی تھی۔

بٹہ کنڈی یوتھ ہوسٹل ہم اس حال میں پہنچے کہ شام کا اندھیرا چھا رہا تھا۔ صرف دو مہمان ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہمیں فوراً جگہ مل گئی مگر چوکیدار نے ہمیں کھانا کھلانے سے معذرت کر دی۔ سورہ کہف میں مذکورہ بستی یاد آ گئی جس کے لوگوں نے حضرت موسیٰؑ اور ان کے بزرگ ساتھی کی مہمان نوازی سے

انکار کر دیا تھا لیکن ہم بھی دو ہزار کلو میٹر کا سفر کرنے کی ہمت
ہار چکے تھے۔ مجبوراً دو میل دور سے چوکیدار کی پل پر کھانا
کھانے لگے۔ جب سٹل واپس پہنچے تو ہم بغیر لیٹے بستر
کے کمبل لگے۔ جب دیکھا کہ صرف تین ہی تو دو اور
طلب کئے۔ چوکیدار کی حیرانی بجا تھی شہر والوں کا باجوا نہ یا

سرسبز و شاداب لالہ زار

۷ جولائی کی صبح ہم اپنی سیر کے چوتھے روز
لالہ زار (۹,۵۰۰ فٹ) کی سیر کے لئے روانہ ہوئے
ساڑھے ۹ ہزار فٹ کی بلندی پر ڈھلوان میدان کا
ایک سلسلہ ہے جو ارد گرد کی بلند بالا برف پوش
چوٹیوں کے درمیان پھیلا ہوا ایک وسیع سبزہ زار

بن چکا ہے۔ اس کے بعد بھی محکمہ جنگلات کا ریسٹ
ہاؤس بہت کھلا معلوم ہوتا ہے۔
لالہ زار کے راستے میں ہم نے اگی ہوئی گندم
کے کھیت دیکھے۔ بہت حیران تھے کہ گندم کے اگنے
کا یہ کونسا موسم ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ گندم کی
ایک خاص قسم ہے جو مکئی کے ساتھ برف پگھلنے
کے بعد مئی جون میں بوئی جاتی ہے اور اگلی برفباری
شروع ہونے سے پہلے اگست ستمبر میں کاٹ لی
جاتی ہے۔ میرے لئے یہ بہت دلچسپ بات تھی۔

یاغستان اور قید یاغستان

لالہ زار ریسٹ ہاؤس میں بھی ہم کچھ دیر رکے
اور چوکیدار سے معلومات حاصل کیں۔ وہاں ایک کوہستانی
سے بھی ملاقات ہوئی۔ دریائے کنہار اور دریائے سندھ
کے درمیانی علاقہ کو کوہستان الائی کہتے ہیں۔ مقامی
لوگ اس علاقہ کو یاغستان بھی کہتے ہیں۔ کوہستانی
سے ملتے ہی میرا ذہن فوراً بچپن میں پڑھی ہوئی
ایک آپ بیتی "قید یاغستان" کی طرف چلا گیا اور
میں نے اس سے پوچھا کہ اب بھی یاغستانی لوگوں
کو اغوا کرتے ہیں یا نہیں۔ اس کی حیرانی پر میں نے
اس کتاب کا ذکر کیا۔ اس نے بتایا کہ اس معاملہ
میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ کوہستانی پسماندہ
اور غریب ضرور ہیں مگر جرائم پیشہ نہیں بلکہ بہت
سادہ مہمان نواز اور شریف لوگ ہیں۔ میں نے
وہاں کی سیر کے متعلق اس سے اور معلومات حاصل

(لیکن بعد میں "تیدیاغستان" دوبارہ دیکھی تو معلوم ہوا کہ اس کتاب والا یاغستان چین کے شمال مغرب کی جانب کا علاقہ ہے)

ہنس گلی اور ہنس نالہ

جب ہم نے پتو کیدار سے ہنس گلی (۱۳,۲۶۰ فٹ) کے راستے براہ راست سیف الملوک جھیل پہنچنے کے ارادے کا ذکر کیا تو وہ حیران ہوا اور ہمیں اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اس نے بتایا کہ مقامی لوگ بھی اگر موسم خراب ہو تو کبھی اس گلی کی طرف نہیں جاتے اور پھر آپ لوگوں کے پاس بارش اور برف کے طوفان سے بچاؤ کے لئے کافی کپڑے بھی نہیں۔ جب ہم نہ مانے تو اس نے مشورہ دیا کہ اگر ہنس گلی تک موسم ٹھیک رہے تو دوسری طرف اترنا ورنہ واپس آجانا کیونکہ جھیل کی جانب گلی کی ڈھلوان عمودی ہے اور پہاڑ نرم مٹی کا ہے۔ ذرا سی ہوا چلے یا بارش ہو تو پتھر گرنے لگتے ہیں اور پتھروں اور سنگریزوں کا ایک سیلاب ڈھلوانوں پر بہنے لگتا ہے۔ واقعی میں ڈر گیا کیونکہ یہ منظر میں گلی میں سے اترتے ہوئے آٹھ سال پہلے خود دیکھ چکا تھا۔ بہرحال دعا کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ گلی سے آگے صرف اسی صورت میں اتریں گے اگر موسم ٹھیک رہا۔ ساتھ ہی یا حی یا قیوم برحمتک استغیث کا ورد شروع کر دیا۔

لالہ زار کے بالائی میدانوں میں گوجروں کے ڈیرے ہیں۔ ہر طرف مویشی چرتے نظر آتے ہیں۔ پچھلی دفعہ یہاں سے گزرتے ہوئے پنیر کھایا تھا اس دفعہ پھر جی چاہا مگر صرف لسی ہی مل سکی ع

"گندم اگر بہم نہ شود بھس غنیمت است"

والا ماجرا ہوا۔

لالہ زار سے ایک ہی سطح پر چلتے ہوئے پہلے ہم ہنس (Hans) نالہ پر پہنچے اور وادی میں چڑھنا شروع کر دیا۔ جلدی ہی گلیشیر آگئے اور ہماری رفتار سست پڑ گئی کیونکہ ہمارے پاس برف پر چلنے والے جوتے اور برف کی کلہاڑی نہیں تھی۔ راستے میں بھیڑ بکریاں چرتی نظر آتی تھیں مگر چرواہے غائب تھے۔ اس علاقے میں سیل (Seal) کی شکل کے خرگوش سے بڑے اور بہت خوبصورت سنہری فر والے جانور نظر آئے جو دور سے ہمیں آتا دیکھ کر اونچی جگہ اگلی ٹانگیں اٹھا کر خرگوش کی طرح بیٹھ جاتے تھے اور ہمیں آتا دیکھتے رہتے۔ جب ہم ذرا قریب پہنچتے تو خطرے کا الارم بجاتے بلوں میں گھس جاتے۔ خدا تعالیٰ نے اس انتہائی ٹھنڈے علاقے کے مکینوں کو کیسا عمدہ گرم لباس عطا فرمایا ہے۔

گلی سے کچھ پہلے ہم نے منجمد پانی کی چھوٹی چھوٹی جھیلیں دیکھیں۔ پگھلنے والے پانی کی دھاروں نے برف میں نہایت خوبصورت وادیاں تراشی تھیں۔ یہ سارا علاقہ مجھے ایک بڑے سکیل پر بنا ہوا ڈیکوریشن پیس (Decoration Piece) نظر آیا۔

دوپہر ایک بجے کے قریب ہم ہنس گلی پہنچے

گئے۔ ہوا میں آکسیجن کی کمی اور بلندی کے اثرات کے باعث ہم ہانپ بھی رہے تھے اور کانپ بھی۔ ساتھ ہی موسم کے خراب ہو جانے کا دھڑ کا لگا ہوا تھا۔ الحمدللہ کہ گلی پہنچنے پر بھی موسم صاف رہا۔ دعائے شکرانہ کی۔

جھیل سیف الملوک

دوسری طرف نظر ڈالی تو آنکھوں نے ایسا دل فریب منظر دیکھا جس نے سارے سفر کی تھکاوٹ اتار دی۔ ہمارے سامنے سر سبز چوٹیوں کی ڈھلوان سے بنا ہوا ایک خوبصورت پیالہ تھا جس کے پیندے میں مصفّا نیلگوں سیال بھرا ہوا تھا۔ سوا تیرہ ہزار فٹ کی بلندی سے تین ہزار فٹ نیچے نظر آنے والی سیف الملوک جھیل اس قدر خوبصورت لگ رہی تھی کہ اس منظر کے بیان کے لئے ایک شاعر کا دل اور ایک مصوّر کا ہاتھ چاہیئے۔ میرے لئے تو یہی کافی تھا کہ میں اپنے سارے دل اور ساری جان سے احسن الخالقین کی اس صنعت گری پر اسے خراجِ تحسین پیش کر رہا تھا۔

فتبارک اللہ احسن الخالقین!

میں راستے سے لکڑی کے خشک ٹکڑے چنتا آیا تھا تاکہ گلی پہ پہنچ کر آگ جلائیں جس کے دھوئیں سے ہمارے مرزا صاحب کو جو جھیل کے کنارے ڈیرا ڈالے بیٹھے تھے ہمارے پہنچنے کا سگنل مل جائے۔ ہم نے بہت غور سے مرزا صاحب کا خیمہ دیکھنا چاہا مگر جھیل کے کنارے دو تین دھبوں سے یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ ہمارا خیمہ کون سا ہے لیکن چشم تصوّر میں ہم نے مرزا صاحب کو خیمہ کے سامنے ہاتھ میں سکیچنگ پنسل اور کاغذ پکڑے ہنس گلی کی طرف ٹکٹکی باندھے غور سے دیکھا ـــ۔ (باقی آئندہ)

○

تقریری مقابلہ معیارِ خاص

مندرجہ ذیل اضلاع اپنے ضلع سے ایک مقرر کا انتخاب کر کے بھجوائیں گے۔ ہر نمائندہ ۸ تا ۱۰ منٹ مقررہ عنوان پر تقریر کرے گا:۔

(۱) نمائندہ ضلع کراچی۔ "واعتصموا بحبل اللہ"
(۲) " " لاہور۔ "خادم کا عہد"
(۳) " " راولپنڈی۔ "دشمنوں کی اذیتوں کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر"
(۴) " " کوئٹہ۔ "صحابہ رضوان اللہ علیہم کا تقویٰ اور پرہیزگاری"
(۵) " " لائلپور۔ "وقت کی قدر و منزلت"
(۶) " " ربوہ "قرآنی جواہرات کی تھیلی ہے"

(مہتمم تعلیم مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

کھیل کا میدان

اولمپک کھیلیں

جناب حبیب اللہ احمدی

عالمی اولمپک کھیلیں ۱۹۷۶ء مانٹریال (کینیڈا) میں ۱۷ جولائی سے ۲ اگست تک انعقاد پذیر ہوئیں ذیل میں اولمپک کھیلوں سے متعلق ایک دلچسپ، معلوماتی اور عام دلچسپی کا مضمون پیش کیا جاتا ہے

(ادارہ)

قدیم اولمپکس

اولمپک کھیلوں کی تاریخ تین ہزار سال پرانی ہے یہ کھیلیں ۷۷۶ ق م میں شروع ہوئیں اور بارہ سو سال جاری رہیں۔ حتیٰ کہ ۳۹۳ ق م میں شہنشاہ روم نے حکماً یہ کھیلیں بند کر دیں۔

یونانی لوگ چار سال کے دور کو اولمپیڈ کہتے ہیں۔ اس سے چار برس کے وقفہ سے منعقد ہونے والی یہ کھیلیں اولمپک کہلائیں ـــــ شاید یہ نام یونان کے شہر "اولمپیا" میں سب سے پہلے ان کھیلوں کے انعقاد کے باعث معروف ہوا۔ یہ شہر مغربی پیلوپونیس میں دریائے الفیس (موجودہ روفیا) کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ اولمپیا میں ان کھیلوں کے انعقاد کا سبب غالباً اس شہر کی مذہبی اہمیت ہے۔ کیونکہ یہاں پر یونانی دیوتا زیوس کی خانقاہ اور ہیرا کا معبد تھا۔ اولمپیا کے مشرق میں قدیم گھوڑ دوڑ کے میدان اور شمال میں پہاڑیاں واقع ہیں۔ ان پہاڑیوں کے ساتھ ہی ۲۱۲ گز لمبا اور ۳۲ گز چوڑا ایک مربع سٹیڈیم تھا جس میں ۴۵ ہزار تماشائیوں کے بیٹھنے کے لئے جگہ تھی۔

ان کھیلوں کے آغاز سے متعلق کئی دلچسپ قصے مشہور ہیں۔ مثلاً یہ کہ زیوس کی ملکہ الکمینی سے اس کا بیٹا ہرکولیس ہوا جو اپنی قوت بازو سے مشہور ہو کر یونان کا ہیرو بنا ـــــ ایلس کے بادشاہ اوگئیس نے

ہرکولیس کی بداعمالیوں پر اسے اپنی بھیڑوں کا اصطبل صاف کرنے کی سزا دی۔ ہرکولیس نے دریائے ایلفس کا رخ اصطبل کی طرف موڑ کر یہ کام بخوبی انجام دیا اور بادشاہ سے بھیڑوں کا دس فیصد بطور انعام دیئے جانے کا مطالبہ کیا۔ بادشاہ کے انکار پر ہرکولیس نے اسے قتل کر دیا اور خود تخت پر قابض ہو گیا۔ اس فتح کی خوشی میں ہرکولیس نے اولمپک کھیلوں کی ابتداء کی۔

ایک اور قصہ یہ مشہور ہے کہ ایلس کے بادشاہ [illegible] نے اپنی حسین لڑکی ہیپوڈیمیا کی شادی اس شہزادے سے کرنے کا اعلان کیا جو شہزادی کو رتھ میں بٹھا کر اغوا کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ کئی شہزادوں نے قسمت آزمائی کی مگر ناکام ہوئے اور موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ آخر قرعۂ فال نوجوان پیلوپس کے نام پڑا۔ یہ حسین و فطین چاک و چوبند اور بہادر نوجوان تمام احتیاطی تدابیر کر کے شہزادی کو رتھ میں بٹھا کر اغوا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ بادشاہ نے تعاقب کیا مگر شاہی رتھ کے پہیئے ٹوٹ گئے۔ پیلوپس کی فتح ہوئی اور وہ بادشاہ بن گیا۔ اس خوشی میں جشن منایا گیا جس میں مذہبی رسومات ادا کی گئیں اور اولمپک کھیلوں کے مقابلے شروع کروائے گئے

ابتدا میں یہ مقابلے صرف ایک دن کے لئے ہوتے تھے جن میں [illegible] گز کی دوڑ شامل تھی۔ چودھویں اولمپک کھیلوں میں پانچ مقابلے ہوئے جن میں لمبی چھلانگ، نیزہ پھینکنا۔ ڈسکس پھینکنا اور کشتی رانی شامل تھے۔ پھر گھڑ دوڑ، مکہ بازی کے مقابلے بھی ہونے لگے اور پروگرام ہفتہ روزہ کر دیا گیا۔ جس میں مذہبی رسومات بھی شامل کر دی گئیں۔ اس وقت یہ کھیلیں صرف یونانیوں کے لئے مخصوص تھیں۔ عورتوں کو ان مقابلوں میں حصہ لینے اور دیکھنے کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ ان کھیلوں میں شامل ہونے والے کھلاڑیوں کو ضمانتِ تحفظ حاصل ہوتی۔ کھیلوں کے افتتاح پر منصفین اور کھلاڑی قواعد و ضوابط کی پابندی کرنے کا حلف اٹھاتے اور پھر سب حاضرین کھیلوں کی کامیابی کے لئے دعا کرتے۔ پھر سٹیڈیم کے گرد کھلاڑیوں کی پریڈ ہوتی۔ ہر مقابلے کے آغاز اور اختتام پر بگل بجایا جاتا۔ جیتنے والے کھلاڑیوں کے ہاتھ میں اعزاز کے طور پر کھجور کی شاخ دی جاتی اور سر پر زیتون کے پتوں کا تاج پہنایا جاتا۔ مذہبی اعتبار سے بھی ان کا ایک خاص مقام تسلیم کیا جاتا —— لیکن افسوس کہ امن و سلامتی کے مظہر ہونے والی ان قدیم کھیلوں کو روم

پیشہ ور کھلاڑیوں کی مکاریوں نے ایک فتنہ بنا دیا۔ نتیجۃً تھیوڈ وسیس اوّل نے یہ کھیلیں حکماً بند کر دیں

اولمپک کھیلوں کا احیاء

۳۹۴ء میں اولمپک کھیلیں بند ہوئیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شمالی وحشی قبائل نے اولمپیا پر حملہ کر کے اسے تہس نہس کر دیا۔ رہی سہی کسر زلزلوں نے پوری کر دی اور یہ شہر تین سو سال تک ریت کے ٹیلوں میں دبا رہا۔ انیسویں صدی میں اس تاریخی شہر کی کھدائی کی گئی ـــــ تو یونانیوں میں اولمپک کھیلوں کی یاد تازہ ہو گئی۔ چنانچہ ۱۸۵۹ء میں انہوں نے یہ کھیلیں جاری کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی ـــــ اولمپک کھیلوں کے منظم اور مستقل طور پر جاری کرنے کا سہرا بیرن پیئر ڈی کوبرٹن کے سر ہے۔ اس نے ۱۸۹۴ء میں کھیلوں کی یونانی تنظیموں کو تو کا کہ اولمپک کھیلوں کے انعقاد کے باعث [illegible] ایک [illegible] قوم بنے رہے۔ یونانی ریاستوں کا موجودہ اتحاد [illegible] کھیلوں کے احیاء سے دور ہو سکتا ہے۔ تمام تنظیموں نے اس پر اتفاق کیا۔ بیرن نے بین الاقوامی کھیلوں کی تنظیموں کو بھی اولمپکس جاری کرنے کی تحریک کی اور یوں اولمپک کھیلوں کے دوبارہ انعقاد کے انتظامات شروع ہوئے۔ چنانچہ پیرس میں سر بورن کے مقام پر ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ۹ اقوام کے نمائندوں نے شرکت کی جس [illegible] اموں کے لئے ایک بین الاقوامی اولمپک کمیٹی تشکیل ہوئی۔ اور حسب سابق ہر چار سال بعد یہ مقابلے کئے جانے کا فیصلہ ہوا۔ شاہ یونان کی زیر سرپرستی پہلے اولمپک مقابلے ہوئے۔ سنگ مرمر کا ایک نیا اسٹیڈیم بھی تعمیر کیا گیا۔ یہ مقابلے ۱۶ دن تک جاری رہتے ہیں اور ان کا انتظام ملک کی بجائے کسی شہر کے سپرد کیا جاتا ہے۔

اب تک [illegible] (۱۶) شہروں میں یہ مقابلے منعقد ہو چکے ہیں:۔

(۱)	۱۸۹۶ء	ایتھنز	(یونان)
(۲)	۱۹۰۰ء	پیرس	(فرانس)
(۳)	۱۹۰۴ء	سینٹ لوئی	(امریکہ)
(۴)	۱۹۰۸ء	لندن	(برطانیہ)
(۵)	۱۹۱۲ء	سٹاک ہوم	(سویڈن)
(۶)	۱۹۱۶ء	(جنگ عظیم اول کی وجہ سے نہ ہو سکے)	
(۷)	۱۹۲۰ء	اینٹ ورپ	(بلجیم)
(۸)	۱۹۲۴ء	پیرس	(فرانس)
(۹)	۱۹۲۸ء	ایمسٹرڈم	(ہالینڈ)
(۱۰)	[illegible]	لاس اینجلز	(امریکہ)
(۱۱)	۱۹۳۶ء	برلن	(جرمنی)
(۱۲-۱۳)	۱۹۴۰ء، ۱۹۴۴ء	کے مقابلے جنگ عظیم دوم کے باعث منعقد نہ ہو سکے	
(۱۴)	۱۹۴۸ء	لندن	(برطانیہ)
(۱۵)	۱۹۵۲ء	ہیلسنکی	(فن لینڈ)
(۱۶)	۱۹۵۶ء	میلبورن	(آسٹریلیا)
(۱۷)	۱۹۶۰ء	روم	(اٹلی)
(۱۸)	۱۹۶۴ء	ٹوکیو	(جاپان)

(۱۹) ۱۹۶۸ء میکسیکو
(۲۰) ۱۹۷۲ء میونخ (مغربی جرمنی)
(۲۱) ۱۹۷۶ء مانٹریال (کینیڈا)

۱۸۹۶ء کے ایتھنز کے پہلے اولمپک مقابلے عالمگیر حیثیت کے حامل نہ تھے تاہم ۱۹۰۸ء سے یہ مقابلے عالمگیر صورت اختیار کر گئے۔ ان کھیلوں میں پہلے پہل برطانیہ کا پلّہ بھاری رہا۔ پھر امریکہ سر فہرست دکھائی دینے لگا۔

۱۹۰۸ء میں برطانیہ نے ۵۶ اوّل انعامات حاصل کئے۔ اور امریکہ نے ۲۲۔ جبکہ ۱۹۲۸ء میں امریکہ نے ۲۴ اوّل انعامات حاصل کئے اور برطانیہ سے بہتر اور جرمنی اور فن لینڈ نے دس دس انعامات حاصل کئے۔ اسی سال پہلی دفعہ اولمپک کھیلوں میں عورتوں کے مقابلے بھی کروائے گئے۔

۱۹۳۶ء میں برلن کے اولمپک مقابلوں کا افتتاح اڈولف ہٹلر نے کیا۔ اس دفعہ اولمپیا کے تاریخی سٹیڈیم میں جلنے والے مقدّس شعلہ سے "اولمپک شمع" روشن کر کے لائی گئی۔ کھلاڑی باری باری یہ شمع لے کر دوڑتے رہے یونان سے جرمنی تک مختلف ممالک سے گزرتے ہوئے آخر کار برلن کے سٹیڈیم میں "اولمپک شمع" پہنچائی گئی۔ اور پھر یہ رسم جاری ہو گئی۔ اب کے چونکہ یہ مقابلے سمندر پار ہو رہے تھے اس لئے اولمپیا کے شعلے الیکٹرانک ویوز کے ذریعے ایک سیکنڈ میں کینیڈا پہنچا دیا گیا۔ جہاں "اولمپک شمع" روشن کی گئی اور پھر شمع بردار کھلاڑیوں نے افتتاح کے موقع پر یہ شمع مانٹریال کے اولمپک سٹیڈیم میں پہنچا دی۔

رسمِ افتتاح

اولمپک کھیلوں کی رسم افتتاح اپنے خاص روایتی دلچسپ اور انوکھے انداز سے ادا کی جاتی ہے کھیلوں کا افتتاح عام طور پر میزبان ملک کا سربراہ کرتا ہے (مانٹریال اولمپکس کا افتتاح ملکہ معظمہ الزبتھ نے کیا) مہمان خصوصی کے سٹیج پر پہنچنے کے بعد میزبان ملک کی ایک دوشیزہ خاص تختی اٹھائے گزرتی ہے۔ جس پر اسی ملک کا نام لکھا ہوتا ہے اس کے پیچھے ملک کا پرچم بردار اور پھر اس ملک کے کھلاڑی گزرتے ہیں۔ یہ جلوس مہمان خصوصی کو سلامی

دیتا ہوا اپنی مخصوص نشستوں پر پہنچ جاتا ہے جلوس
کی قیادت یونانی کھلاڑی کرتے ہیں اس کے بعد
حروف تہجی کے اعتبار سے دیگر ممالک کے کھلاڑی
گروپ باری باری گزرتے ہیں۔ آخر میں میزبان ملک
کے کھلاڑی اپنا پرچم لے کر سٹیج کی طرف بڑھتے ہیں
اور ساز کی دھن میں پرچم کشائی ہوتی ہے۔ عین اس
وقت شمع بردار کھلاڑی (ایک مرد اور ایک عورت)
سٹیڈیم میں داخل ہوتے ہیں۔ سٹیڈیم کا چکر لگا کر
وہ وسط میں بنے ہوئے اس چبوترے پر پہنچ جاتے
ہیں جس پر سٹیڈیم کی عظیم شمع نصب ہوتی ہے اسے
اولمپیا کی چھوٹی شمع سے روشن کر کے کھلاڑی مخصوص
روایتی انداز میں چند قدم پیچھے ہٹ کر جھکتے ہوئے
سلامی دیتے ہیں۔ اسی دوران ساز مسلسل بجتا رہتا
ہے ادھر عظیم شمع روشن ہوتی ہے۔ ادھر گزشتہ
اولمپک کا میزبان میئر اولمپک کا پرچم انٹرنیشنل
اولمپک کونسل کے صدر کو دیتا ہے۔ اور وہ اسے
اولمپک کے نئے میزبان میئر کے سپرد کرتا ہے، جو
توپوں کی گھن گرج میں اولمپک کھیلوں کے افتتاح کا
اعلان کرتا ہے۔ اعلان ہوتے ہی امن و سلامتی کے
پیغامبر کبوتر چھوڑے جاتے ہیں جو سٹیڈیم پر پرواز
کرنے لگتے ہیں۔

مانٹریال اولمپکس کے موقع پر بھی ویسے ہی مارچ
پاسٹ ہوئی۔ پرچم لہرایا گیا۔ اولمپک شمع فروزاں کی
گئی۔ توپوں کی سلامی دی گئی۔ کبوتر چھوڑے گئے۔ اگر
نہیں تھے تو تائیوان کے کھلاڑی یا ان افریقی اور عرب
ممالک کے کھلاڑی۔ جنہوں نے مانٹریال اولمپک کا
بائیکاٹ کیا تھا۔

اولمپک ایوارڈز

اولمپک مقابلوں میں حسن کارکردگی کی بنا پر مندرجہ
ذیل انفرادی و اجتماعی انعامات دیئے جاتے ہیں:-

(۱) اولمپک کپ (Olympic Cup)

بیرن پیئر ڈی کوبرٹن کا ۱۹۰۶ء سے جاری کردہ
یہ ایوارڈ اس ادارہ یا تنظیم کو دیا جاتا ہے جس نے
غیر پیشہ ورانہ کھلاڑیوں میں کھیلوں کو فروغ دینے میں
نمایاں کردار ادا کیا ہو یا اولمپک کی تنظیم سے مثالی
تعاون کیا ہو۔

(۲) اولمپک ڈپلومہ آف میرٹ
(Olympic Diploma of Merit)

یہ I.O.C کی کانگریس کے موقع پر ۱۹۰۵ء میں
جاری ہوا۔

(۳) محمد طاہر ٹرافی (Mohd Tahir Trophy)

I.O.C کے ایک رکن محمد طاہر نے ۱۹۵۰ء میں
جاری کی جو نمایاں طور پر خصوصی امتیازات جیتنے والے
کھلاڑی کو دی جاتی ہے

(۴) فرنلے کپ (Furnley Cup)

۱۹۵۰ء میں I.O.C کے ایک فعال کارکن
مسٹر تھامس فرنلے نے جاری کیا۔ یہ کپ کسی ممتاز غیر پیشہ ورانہ
کھلاڑیوں کے کلب یا کسی مقامی اولمپک انجمن کو حسن
کارکردگی کی بنا پر دیا جاتا ہے

(۵) کاؤنٹ بان کوسا ٹرافی۔ (The Count Boncossa Trophy)

اٹلی کی قومی اولمپک کمیٹی کا جاری کردہ ایوارڈ ہے جو اس نے I.O.C. کے رکن کاؤنٹ البارٹو بوناکاسو (Count Alberto Bonacossa) کے اعزاز میں جاری کیا تھا۔ یہ اس قومی اولمپک کمیٹی کو دیا جاتا ہے جو اولمپک مقابلوں اور اولمپک تنظیم کی ترقی و تقدّم میں نمایاں خدمات انجام دے۔

مندرجہ بالا ایوارڈز کے علاوہ ہر مقابلہ میں جیتنے والے کھلاڑی یا ٹیم کو تمغے دیئے جاتے ہیں اوّل، دوم اور سوم اعزاز حاصل کرنے والوں کو، علی الترتیب طلائی، نقرئی اور کانسی کے تمغے دیئے جاتے ہیں۔

میونخ (جرمنی) کے مقام پر گزشتہ اولمپک مقابلوں میں مجموعی طور پر امتیازات حاصل کرنے میں روس اوّل رہا اور امریکہ دوم۔ اس سے پیشتر ایک لمبا عرصہ لگاتار امریکہ سب سے زیادہ سونے کے تمغے جیتتا رہا ۱۹۷۲ء کے اولمپک مقابلوں میں متعدد مرتبہ جیتنے والے کئی امریکن نشہ آور ادویہ کے استعمال کی وجہ سے اس اعزاز سے محروم کر دیئے گئے۔ اس لئے امریکہ، روس سے پیچھے رہ گیا۔ اس سال روس اور مشرقی جرمنی کے درمیان سخت مقابلہ رہا۔

عالمی اولمپکس میں جوڈو لائٹ ویٹ (Judo Light Weight) کے مقابلہ میں منگولیا کے مشہور جوڈو چیمپئن نجاوا لبوا کو منشیات کے استعمال کی وجہ سے نقرئی تمغے سے محروم کر دیا گیا اور مزید کھیلوں میں شرکت پر پابندی عائد کر دی گئی۔

اولمپکس کا زرّیں اصول

اولمپکس کا زریں اصول ہے کہ کھلاڑی یا ٹیم کو رنگ و نسل، مذہب و ملّت یا سیاسی وجوہ کی بنا پر ان کھیلوں میں شرکت سے روکا نہیں جا سکتا۔ یہ اصول اولمپک کے بنیادی مقصد، امن و سلامتی اور اخوت و مودّت کا آئینہ دار ہے۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اولمپکس کے اس اصول کے ضمن میں کہ صرف غیر پیشہ ور کھلاڑی ان کھیلوں میں حصّہ لیتے ہیں۔ محمد علی کلے اور ان کی ایسے پیشہ ور عالمی

چیمپئن (جو کھیل کا معاوضہ لیتے ہیں) ان مقابلوں میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح نشہ آور ادویہ استعمال کرنے والے کھلاڑی بھی شامل نہیں ہو سکتے۔ بالعموم مذکورہ اصول کی پابندی ہوتی رہی ہے البتہ گزشتہ برس میونخ اولمپکس میں فلسطینی فدائین کا اسرائیلی کھلاڑیوں پر حملہ کرنا اور انھیں ہلاک اور زخمی کرنا۔ ایک سیاسی نوعیت کا مسئلہ تھا۔ فلسطینیوں کا مطالبہ تھا کہ اسرائیل کو اولمپک مقابلوں سے نکال باہر کیا جائے۔ مذکورہ بالا واقعہ مد نظر رکھتے ہوئے اب کی بار مانٹریال اولمپک سٹیڈیم جس میں ایک لاکھ تماشائیوں کی گنجائش ہے اور دس ہزار کھلاڑی جمع ہیں وہاں ۱۶,۰۰۰ (سولہ ہزار) پولیس اور فوج کا انتظام ہے اور ایک فوجی ہیلی کاپٹر ہمہ وقت سٹیڈیم کے اوپر پرواز کرتا رہتا ہے۔ مانٹریال سٹیڈیم کھیل کے میدان کی بجائے بظاہر ایک فوجی کیمپ معلوم ہوتا ہے

اس دفعہ ۱۹۔ افریقی ممالک نے I.O.C. سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ نیوزی لینڈ کی ٹیم کو اولمپکس میں شامل نہ ہونے دے۔ کیونکہ اس کی رگبی ٹیم نے جنوبی افریقہ کا دورہ کیا تھا۔ جب I.O.C. نے یہ کہہ کر ان کا مطالبہ رد کر دیا کہ رگبی اولمپک مقابلوں کی کھیل نہیں اور یہ کہ ان کا مطالبہ سیاسی نوعیت کا ہے تو ان افریقی ممالک نے مانٹریال اولمپکس سے بائیکاٹ کر دیا اور پھر بعض عرب ممالک بھی ان مقابلوں سے علیحدہ ہو گئے

ادھر تائیوان کو جب عوامی جمہوریہ چین کے نام پر اولمپکس میں حصہ لینے کی اجازت نہ دی گئی تو اس نے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔ اس طرح تیس ممالک مانٹریال اولمپکس سے علیحدہ ہو گئے۔ نتیجۃً ۳۳ اجتماعی مقابلے منسوخ کرنے پڑے۔ اس وجہ سے مانٹریال اولمپکس کی انتظامیہ کو بہت بھاری نقصان ہوا۔ یاد رہے کہ کہ باکسنگ (باکسنگ) کے علاوہ کئی دوڑوں کے مقابلوں کے عالمی چیمپئن ، ایتھوپیا ، کینیا اور یوگنڈا سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی عدم شمولیت سے یقیناً نتائج اثر انداز ہوئے ہیں لیکن پھر بھی حسب معمول ہر اولمپک مقابلہ کی طرح مانٹریال اولمپکس میں بھی اکثر مقابلوں میں سابقہ اولمپکس ریکارڈ ٹوٹ گئے بلکہ کئی نئے عالمی ریکارڈ بھی قائم ہوئے۔ ایک خاص بات قابل ذکر ہے۔ کہ مانٹریال اولمپکس میں رومانیہ کی ۱۴ سالہ لڑکی ، نادیہ کمانیسی (Nadia Comaneci) نے جمناسٹک کے مقابلوں میں حیرت انگیز اور شاندار کرتب دکھائے۔ نمبر دینے والے کمپیوٹر دس میں سے ۹.۹ نمبر دیتے ہیں۔ ۱۰/۱۰ نمبر کے لئے یہ بنائے ہی نہیں گئے۔ لیکن نادیہ کو پورے نمبر دینے پڑے اور کمپیوٹر کو مصیبت پڑ گئی۔

O

ادارہ مکرم ڈاکٹر پرویز پروازی کا شکر گزار ہے کہ آپ اپنے جاپان کے سفرنامہ کی مسلسل اقساط سے محظوظ فرماتے رہے ہیں اس ماہ ان کے سفرنامہ کی کوئی قسط موصول نہیں ہوئی ہے۔ (ادارہ)

اصلاح نفس کا ایک بہت بڑا ذریعہ

تینتیسواں سالانہ اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

۲۲، ۲۳، ۲۴ اخاء ۱۳۵۵ ہش / اکتوبر ۱۹۷۶ء

مجلس خدام الاحمدیہ کا مرکزی سالانہ اجتماع مؤرخہ ۲۲، ۲۳، ۲۴ اکتوبر بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار منعقد ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔ اجتماع سے متعلق سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں (۱) "ہر جماعت کا کم از کم ایک نمائندہ خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع میں ضرور شامل ہونا چاہیئے۔ اجتماع میں ہماری پوری کی پوری جماعت کی نمائندگی ہونی چاہیئے"

(۲) "یہ اجتماع نفس کی اصلاح کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اور بہترین سبق ہے اس لئے احمدی نوجوانوں کو اس طرف پوری توجہ دینی چاہیئے۔" (الفضل ۱۰ ستمبر ۱۹۷۲ء)

(۳) "جو نمائندے ان اجتماعوں میں شامل ہوں گے وہ ایک نئی روح اور ایک نئی زندگی لے کر واپس جائیں گے" (الفضل ۱۸ اپریل ۱۹۷۶ء)

قائدین اضلاع، نگران حلقہ جات، قائدین مقامی پوری توجہ فرمائیں اور زیادہ سے زیادہ خدام کو اجتماع میں شامل کریں۔ آنے والے خدام کے نام سے جلد مطلع فرمائیں۔

(معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

انتیسویں (۲۹) مجلس شوریٰ خدام الاحمدیہ

خدام کے مرکزی سالانہ اجتماع کے موقعہ پر شوریٰ خدام الاحمدیہ منعقد ہوگی (انشاء اللہ العزیز) شوریٰ کے سلسلہ میں درج ذیل امور کی طرف توجہ فرمائیں۔

(۱) مجلس کی بہتری کے لئے اگر کوئی تجویز بھجوانی مقصود ہو تو اجلاس عام میں پاس کرنے کے بعد یکم ستمبر تک مرکز میں پہنچائی جائے

(۲) نمائندگان شوریٰ۔ (حسب ذیل قواعد کو مدنظر رکھا جائے:)

(ا) نمائندگان شوریٰ کا انتخاب ہر مجلس کے خدام کی تعداد پر بیس یا بیس کی کسر پر ایک نمائندہ کی صورت میں ہوگا۔ قائد مجلس اپنے عہدہ کے لحاظ سے شوریٰ کا رکن ہوگا لیکن وہ اس تعداد میں شامل ہوگا جس کا کسی مجلس کو حق حاصل ہوگا۔ اگر قائد مجلس خود شوریٰ کے اجلاس میں شامل نہ ہو تو پھر متبادل نمائندہ کا تقرر بذریعہ انتخاب ہوگا۔ قائد اپنی جگہ کسی کو نامزد نہیں کر سکیگا۔ (ب) کوئی خادم جو لقایا دار ہو، شوریٰ کا ممبر نہیں ہو سکے گا۔

(معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

شیزان
Digitized By Khilafat Library Rabwah
گھر بھر کی خوشی
اور صحت کا
ضامن ہے
Peach Jam
HOT KETCHUP
HOT KETCHUP
Shezan
Made from whole oranges
Plum Jam
شیزان
انٹرنیشنل لمیٹڈ
بند روڈ۔ لاہور

MONTHLY **KHALID** RABWAH

ZAHUR 1355 H.S. —— —— AUGUST 1976 ——— Regd No. L 5830

Title Printed at the Nusrat Art Press, Rabwah.